Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

•جلد 11/•شمارہ 07/•جنوری 2022

اولاد کی تربیت اور ہماری ذمے داری

مشورہ

کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

غلطی میری تھی

ابو ریحان البیرونی رحمۃ اللہ علیہ

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM
عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ
کمبل
سردی میں سہارا
فی کمبل
Rs 1150/=
UAN
+92 21 111 298 111
Visit
Baitussalam.org
Follow us
BaitussalamWelfareTrust

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

جنوری 2022

فہم وفکر

عنوان	مصنف	صفحہ
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

عنوان	مصنف	صفحہ
فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ
حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	10
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	مدثر اختر	11
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	13
ابو ریحان البیرونی	ارسلان اللہ خان	15
سرطان: بچاؤ کی تدابیر اور علاج	حکیم شمیم احمد	17
مشورہ: اہمیت اور طریقہ	عبد المتین	18

خواتین اسلام

عنوان	مصنف	صفحہ
سنورا باطن	حفصہ محمد فیصل	20
باعنوان	محمد احمد رضا انصاری	21
نصیبوں جلی یا…	ام نسیبہ	23
تیری راہ میں	زینب گوہر	24
اولاد فتنہ ہے	مہوش اسد شیخ	26
غلطی میری تھی	ام عثمان	27
اقالہ	قرات کنعان	28

باغیچہ اطفال

عنوان	مصنف	صفحہ
زندگی کیا ہے؟	میمونہ شوکت	31
خفیہ ریکارڈنگ	نابیہ گل	32
کانٹے	فوزیہ خلیل	33
نیکی اور پوچھ پوچھ	ڈاکٹر الیاس رومی	34
انگوٹھی کہاں گئی؟	انجم توصیف	35
بابرکت الفاظ	تنزیلہ احمد	37
کاہلی کی اداسی	آمنہ بخاری	38
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزم ادب

عنوان	مصنف	صفحہ
نیا سال	جوہر عباد	42

اخبار السلام

عنوان	مصنف	صفحہ
رفاہی خدمات	خالد معین	46

زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
سالانہ فیس:	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک:	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

مدیر کے قلم سے

ایک بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص جھوٹ بولتے ہوئے پکڑا گیا، اس کو پانچ دینار جرمانہ ہوگا۔ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بھی ڈرنے لگے کہ اگر جھوٹ بولتے ہوئے پکڑے گئے تو کہیں جرمانہ نہ ہو جائے۔ ادھر بادشاہ اور وزیر بھیس بدل کر شہر میں گھومنے لگے۔ جب تھک گئے تو آرام کرنے کی غرض سے ایک تاجر کے پاس ٹھہرے۔

اس نے دونوں کو چائے پلائی۔ بادشاہ نے تاجر سے تین سوالات پوچھے: ان میں سے ایک یہ تھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ تاجر نے کہا: 20 سال۔

واپس آکر انھوں نے سرکاری دفتر میں تاجر کے کوائف دیکھے تو وہ اس کے بیان سے مختلف تھے۔ بادشاہ نے تاجر کو دربار میں طلب کر لیا اور وہی تین سوالات دہرائے۔ تاجر نے وہی جوابات دیے۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا: اس پر 15 دینار جرمانہ عائد کر دو اور سرکاری خزانے میں جمع کرا دو، کیوں کہ اس نے تین جھوٹ بولے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ سرکاری کاغذات میں اس کی عمر 35 سال ہے۔ تاجر نے کہا: زندگی کے 20 سال ہی محنت، نیکی اور ایمان داری سے گزارے ہیں، اسی کو میں اپنی عمر سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ نے جرمانے کا حکم واپس لے لیا اور تاجر سے کہا: ہاں واقعی وقت وہی شمار کرنے کے لائق ہے، جو اچھے کاموں میں گزر جائے۔

کیا اس نئے سال کے آغاز میں ہم بھی یہ حساب لگا سکتے ہیں کہ ہماری چالیس، پچاس سالہ زندگی میں سے شمار کے لائق کتنی زندگی ہے؟ ساری؟ آدھی؟ یا بہت کم؟

گرمی کا موسم ہے، صفر دوپہر ہے، کڑاکے کی گرمی ہے۔ برف کا بیوپاری سڑک کنارے بیٹھا ہے، خریدار ہے کہ گھر سے نکلنے کو تیار نہیں اور برف ہے کہ ٹاٹ کی بوری میں پگھلے جا رہی ہے۔ بیوپاری کے دِل سے آہ نکلتی ہے اور وہ چلّا چلّا کر کہنے لگتا ہے: لوگو! رحم کرو اس شخص پر، جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ قارئینِ گرامی! برف کو پگھلنے سے تو پھر بھی روکا جا سکتا ہے، کہیں فریزر یا برف کے کارخانے میں رکھ کر، لیکن گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئی کو روکنا ممکن نہیں۔ گھٹنوں کے بل چلنے والا دوڑنے لگ جاتا ہے، زندگی کو یوں پر لگ جاتے ہیں کہ بچپن، جوانی میں بدل جاتا ہے اور جوانی، اُدھیڑ عمر کی سیڑھی سے گزر کر پچپن کی دہلیز تک جا پہنچتی ہے۔ رحم کے قابل تو برف فروش نہیں، بلکہ ہم میں سے ہر ایک ہے جس کی زندگی کا پہیہ رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے، رفتہ رفتہ، دم بدم

غم بالائے غم یہ ہے کہ برف والے کو چلو احساس تو ہے، وہ اپنے برف کے سرمائے کے گھلنے پر چیخ و پکار تو کر رہا ہے اور ایک ہم ہیں، زندگی کے سرمائے میں سے پورا ایک سال کم ہو جاتا ہے اور ہمیں زندگی کے اس اہم موڑ پر ہر سال ”ہیپی نیو ائیر“ جیسے کھلونے تھما دیے جاتے ہیں اور ہمیں ذرا احساس تک نہیں ہوتا کہ:

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

قارئینِ گرامی! کبھی آپ نے اس تاجر کو دیکھا ہے، وہ ہمارے اور آپ کے گھروں میں ہی ہوگا، نہیں تو محلے میں تو ضرور ہوگا، جو چاند رات ہو، مگر ابھی تک چاند نظر نہ آیا ہو۔ بازار میں گہما گہمی ہو۔ کھوے سے کھوا چھل رہا ہو۔ دُنیا جوتے، کپڑے گھڑی اور پرفیوم کی خریداری میں لگی ہوئی ہو اور بچے خوش ہو رہے ہوں کہ کل عید ہے، مگر تاجر ہے کہ وہ ان سوچوں میں گم ہے کہ آج اگر چاند نظر نہ آئے تو وارے نیارے ہو جائیں گے، اس لیے کہ ایک چاند رات اور مل جائے گی۔

کیسی کمال کی دو دُنیائیں ہیں۔ ایک بچوں کی، دوسری بڑوں کی۔ بچوں کی کل کائنات کپڑے، جوتے، گھڑی اور سب سے بڑھ کر کھلونے ہیں اور بڑوں کی نظر ٹکی ہے اپنے منافع پر کہ کسی طرح ایک چاند رات اور مل جائے۔ یہی مثال غافل اور سمجھدار مومن کی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: سمجھ دار مسلمان وہ ہے، جو (دُنیا میں) اپنے (عہدے، مرتبے اور ذمے داری) کو پہچانے اور آج کے دِن میں آنے والے کل کی تیاری کرے۔ اگر ہم بھی اس تاجر کی طرح بن جائیں، جسے ایک اور چاند رات کا انتظار ہے تو نہ جانے ہم کتنی آخرت کی کمائی کر لیں، پھر نہ ”ہیپی نیو ائیر“ کا انتظار رہے اور نہ ”لیلۃ القدر“ کا، پھر تو ہر لمحہ کمائی کا ہے، خسارہ ہے ہی نہیں۔

ہر شب، شبِ برات ہے، ہر روز، روزِ عید

قارئینِ گرامی! نئے سال کی ابتدا ہے، دُنیا کے سو تماشے ہیں، ”ہیپی نیو ائیر“ نہ ہوا، خرافات کی پوٹلی ہو گئی۔ تاجر کرے حساب اور کمپنیاں کروائیں آڈٹ، تاکہ پتا چلے کہ کیا کھویا اور کیا پایا اور ایک ہم ہیں غافل کے غافل، سالوں پہ سال گزر گئے اور نہ ہوئے ٹس سے مس۔ آیئے اب کی بار عہد کریں کہ سوشل میڈیا کے اوقات محدود کرکے اور خرافات سے بالکل جان چھڑا کے اب ہم صرف عملی زندگی گزاریں گے، تاکہ خدا کے ہاں سرخ رُو ہو سکیں۔ والسلام! اخوکم فی اللہ

محمد خرم شہزاد

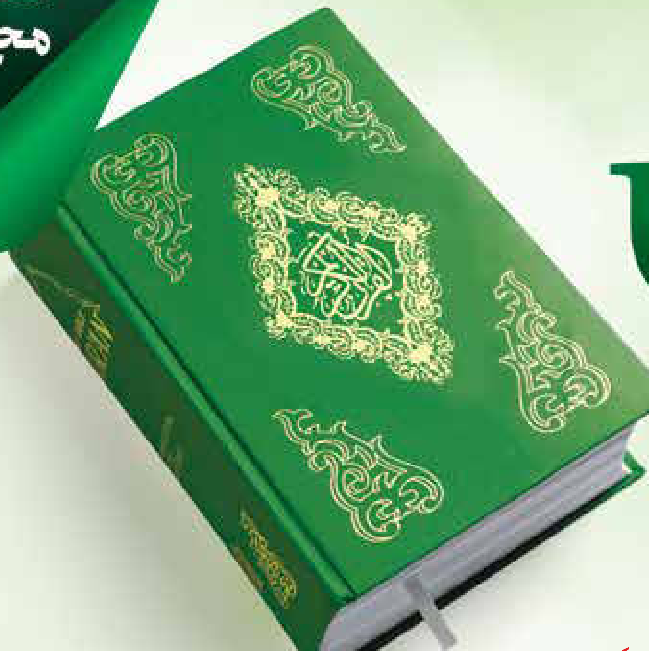

النساء 112-118

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا
فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا 112

ترجمہ: اور اگر کوئی کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو، پھر اس کا الزام کسی بے گناہ کے ذمے لگادے تو وہ بڑا بھاری بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر لادلیتا ہے۔ 112

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا
لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا 113

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) اگر اللہ کا فضل اور رحمت تمہارے شاملِ حال نہیں ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تم کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور (درحقیقت) یہ اپنے سوا کسی کو نہیں بھٹکا رہے ہیں اور یہ تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو ان باتوں کا علم دیا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا فضل ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے۔ 113

تشریح نمبر 1: اس سے بشر اور اس کے حمایتی مراد ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ یہودی کو بے گناہ سزا دلوادیں۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا 114

ترجمہ: لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، اِلّا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ 114

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا 115

ترجمہ: اور کوئی شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے، جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ 115

تشریح نمبر 2: اس آیت سے علمائے کرام، بالخصوص امام شافعیؒ نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے، یعنی جس مسئلے پر پوری امتِ مسلمہ متفق رہی ہو، وہ یقینی طور پر برحق ہوتا ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا 116

ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم تر ہر گناہ کی جس کے لیے چاہتا ہے بخشش کردیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دور جا گرتا ہے۔ 116

تشریح نمبر 3: یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کرسکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کرکے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرے اور توحید پر ایمان لے آئے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا 117

ترجمہ: اللہ کو چھوڑ کے جن سے یہ دعائیں مانگ رہے ہیں، وہ صرف چند زنانیاں ہیں اور جس کو یہ پکار رہے ہیں، وہ اس سرکش شیطان کے سوا کوئی نہیں۔ 117

تشریح نمبر 4: کفارِ مکہ جن من گھڑت دیویوں کو پوجتے تھے۔ لات، منات، عزیٰ سب کو مؤنث سمجھا جاتا تھا، نیز فرشوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ آیت میں اشارہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کفارِ مکہ عورتوں کو کم تر مخلوق سمجھتے ہیں اور دوسری طرف جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے، وہ ان کے خیال کے مطابق سب مؤنث ہیں۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا 118

ترجمہ: جس پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے اور اس نے (اللہ سے) یہ کہہ رکھا ہے کہ "میں تیرے بندوں سے ایک طے شدہ حصہ لے کر رہوں گا۔" 118

تشریح نمبر 5: یعنی بہت سے بندوں کو گمراہ کرکے انھیں اپنا بنالوں گا اور بہت سوں سے اپنی مرضی کے کام کرواؤں گا۔

فہمِ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں اور وصیتیں

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ (رواہ الترمذی واحمد)

ترجمہ : حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، اس کو مٹادے گی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (جامع ترمذی، مسند احمد)

تشریح : تقویٰ کی اصل خدا کا خوف اور اس کے مؤاخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام کی اطاعت کی جائے اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے، لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اُس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے تدارک کے لیے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی غلطی یا برائی ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کردے گا اور مٹادے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ" (نیکیاں برائی کو ختم کردیتی ہیں) رسول اللہ ﷺ نے تیسری نصیحت حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کو تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضائے الٰہی حاصل ہونے کے لیے بندوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَ ثَلٰثٌ مُھْلِکَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَ الْعَلَانِیَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُھْلِکَاتُ فَھَوًی مُتَّبَعٌ وَ شُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَ ھِیَ اَشَدُّھُنَّ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں،

1. خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں)۔
2. حق بات کہنا، خوشی میں اور غصہ میں۔
3. میانہ روی خوش حالی میں اور تنگ دستی میں۔

اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں۔

1. وہ خواہشِ نفس جس کی پیروی کی جائے۔
2. وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اس کے تقاضے پر چلا جائے)۔
3. آدمی کی خود پسندی کی عادت اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔

تشریح : رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر نہ ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اُسے چاہیے کہ وہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہری و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اس کا شعار رہے اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے اور وہ خوش حالی و تنگ دستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔ آپ ﷺ نے خود پسندی کو سب سے شدید غالبًا اس لیے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض ہی نہ سمجھے۔

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
EXPERTS' SECRET
TO ULTIMATE TASTE
HAR KHANAY KA ASAL MAZA
SHANGRILA SEASONINGS
SEY BARHA
SYNTHETIC VINEGAR
SOY SAUCE
CHILLI SAUCE
SAUCE
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

اولاد کی تربیت اور ہماری ذمے داری

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اپنی اولاد کے جسم سے زیادہ اس کے ایمان کی فکر ہوتی ہے اور مسلمان ہمیشہ اپنی اولاد کے ایمان کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیتے آئے ہیں، بڑے بڑے مفادات قربان کیے ہیں۔ بہت بڑی خواہشات سے دست بردار ہوئے، اولاد کا ایمان سلامت رہے، زندگی دین پر رہے اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہو۔ جسم کی فکر، صحت کا خیال مال، دولت کی فکر تو کافر بھی کرلیتا ہے، ہندو ہو یا سکھ عیسائی ہو، یا کسی اور مذہب کا پیروکار یا بالکل لامذہب سبھی کر لیتے ہیں۔ مسلمان کی خوبی، اس کا امتیاز، اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اپنی اولاد کے ایمان، دین داری کی فکر اس کے جسم سے بھی زیادہ ہوتی ہے، چناں چہ قرآنِ کریم میں جب سعادت مند لوگوں کی صفات کا تذکرہ آیا تو ان کی خوبیوں میں ایک خوبی یہ بتائی گئی کہ انھیں اپنی اولاد کے ایمان کی فکر ہے، وہ یوں دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

اے اللہ ہمیں متقی لوگوں کا بھی امام بنادے۔

جب تک والدین پہ یہ فکر غالب رہی ، مسلمانوں کی نسل اسلام پر رہتی آئی ، ایمان پر رہتی آئی اور جب مسلمان اپنی اس ذمے داری سے غافل ہونے لگے گا تو پھر دین داری نہ رہی ، پھر یہ دین داری والدین کی شکل میں ملی نہ گھر کی صورت میں ، نہ درس گاہ کی شکل میں اور نہ استاد کی شکل میں ملے گا، ایسی صورتِ حال میں نئی نسل کا حال کیا ہوگا؟ والدین سے لے کر استاد تک اور صدر سے لے کر چپڑاسی تک، قومی اداروں سے لے کر نجی زندگی تک جب کہیں بھی اس کے سامنے کوئی ایسی شخصیت نظر نہ آئے جو دین پر عمل پیرا ہو، جس کے دل میں خوفِ خدا ہو جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا نمونہ اس میں نظر آتا ہو، کہیں بھی نظر نہیں آئے گا تو بتائیے اس نسل کا دین پر رہنا کہاں ممکن ہوگا، پھر تو اللہ حفاظت فرمائے مسلمانوں کی اولادوں میں اور غیر مسلموں کی اولادوں میں فرق کرنا بھی مشکل ہو جائے گا بلکہ سطح اس سے بھی آگے جائے گی۔ کفر اسلام کی اہمیت ہی ختم ہو جائے گی۔ مذہب ، دین یہ الفاظ اس کی نظر میں بلاوجہ کے الفاظ سمجھے جائیں گے۔ ان کی کوئی اہمیت اس کی زندگی میں نہیں رہے گی۔ ایمان، اسلام، کفر ان کے دمیان فرق کرنا ایک بے معنی چیز ہو جائے گی۔ اس کی نظر میں ہوگا جیسے سارے حیوان برابر ہیں کھانے پینے میں، ایسے ہی سارے انسان بھی جب یہ حیوانیت کی زندگی گزاریں گے ان میں کوئی فرق نہیں۔ تو مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ اسے اپنی اولاد کی فکر جسم سے زیادہ معاشی ضروریات سے بڑھ کر دنیاوی حاجات سے بڑھ کر اس کے ایمان کی فکر ہوتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے حکم سے اپنی اہلیہ کو اور معصوم سے بچے کو مکہ کی وادیوں میں سیاہ کالے پہاڑوں کے درمیان جب چھوڑ کر واپس لوٹنے لگے، اللہ کا حکم تھا، ایک آزمائش تھی، اللہ کے اس پیارے کے مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا، کچھ کھجوریں تھیں اور یہ پانی اور یہ کھجوریں کب تک زندگی کا ساتھ نبھاتیں، کالے پہاڑ ہیں، زندگی کا نام و نشان وہاں کوئی نہیں۔ تو جب چھوڑ کر آنے لگا تو اہلیہ کہنے لگیں کس کے سہارے چھوڑ کر جارہے ہو؟ حکم تھا، جواب کوئی نہیں دینا، پھر سوال کیا پھر سوال کیا اب اہلیہ کہنے لگیں کیا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے سر اثبات میں ہلادیا۔ فرمایا: ہاں اللہ نے حکم دیا ہے۔ خاتون کہنے لگیں اچھا اللہ کا حکم ہے پھر آپ اطمینان رکھیے! ہم بھی مطمئن ہیں وہ ذات پھر ہمیں ضایع نہیں کرے گی!!! پھر آپ بھی اطمینان رکھیے ہمیں بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں، پھر وہ ذات ہے ناں، پھر وہ ہمیں ضایع نہیں کرے گی تو وہاں سے جیسے ہی ہٹے پہاڑ کی اوٹ میں پہنچ کر اب بیت اللہ کی طرف رُخ کرکے دعا کرنے لگے اور کہنے لگے:

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُون

اے اللہ! انھیں زندگی کی بھی ضرورت ہے، معاش کی بھی ضرورت ہے، لیکن ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں پہلی ترجیح کیا ہے؟ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ اے اللہ! میری اولاد کو اپنی بندگی نصیب فرما۔ سبحان اللہ! پھر اگلی بات ہاں اللہ معاش کی بھی ضرورت ہے، زندگی کی بھی ضروریات ہیں، آپ ان کے لیے اس میں بھی مدد فرمادیجیے، لیکن پیغمبر اپنی اولاد کے لیے اپنی دعا میں پہلے ترجیح کیا پیش کررہے ہیں، اے اللہ! اس میں تیری بندگی آجائے پیغمبر سے بڑھ کر تو کوئی دور اندیش نہیں ہوتا ناں اور پیغمبر سے بڑھ کر اپنی اولاد کا کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا ناں اور پیغمبر سے بڑھ کر تو کوئی اپنی اولاد کے لیے بہتر فیصلہ نہیں کرسکتا ہے۔

آج مسلمان بڑا ظلم ڈھاتا ہے اولاد پر، وہاں بھیجتے ہی نہیں ہیں جہاں اسے اسلام کی غذا اور روح نصیب ہو، نہ گھر میں، نہ تعلیمی اداروں، میں نہ گلی محلوں میں نہ کسی ادارے میں جہاں کہیں اسے اسلام کی خوش بو نصیب ہو اور اسے فکر ہی نہیں کہ اس کے دل میں ایمان ہے بھی یا نہیں، یہ اندر سے مسلمان بھی رہا ہے یا نہیں، اسے دینی زندگی پر کچھ

اعتماد بھی ہے قرآن میں اس کے بارے میں فرمایا ہے لوگو! اپنی اولاد کو قتل مت کرو، اس زمانے کا کافر تو اپنی اولاد کو گلے پر چھری چلا کر اپنی بچیوں کو ذبح کر دیا کرتا تھا، معاش کا خطرہ انھیں لاحق تھا اور آج کا نادان انسان اس معاش کی خاطر اپنی اولاد کو روحانی قتل کر دیتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا

تمہیں معاش کی بھوک نے ایسا اندھا اور بے گانہ اور سخت دل کر دیا ہے کہ تم اپنی اولاد کو بے سوچے سمجھے ایسے ماحول میں پھینک رہے ہو جہاں ان کی روحانیت، ایمان نام کی چیز اس کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اولاد کا قتل ہے، ظلم ہے یہ! آج جس نئی نسل سے ہمیں واسطہ پڑ رہا ہے ناں ہر سطح پر بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے اور تکلیف بھی ہوتی ہے کہ قومی ایوانوں کے اندر یہ تماشا ہو رہا ہوتا ہے اور جس انداز کی مخلوق ان ایوانوں کے اندر اکٹھی ہوئی ہے اور بھری گئی ہے، یہ حقیقت میں معاشرے کے بگاڑ کا نتیجہ وہاں اکٹھا ہوا ہے۔ پورا معاشرہ ہی ایسا ہو گیا ہے، گلی محلوں سے لے کر تعلیمی اداروں کا حال ہی یہی ہے۔

جب تعلیمی اداروں سے اسلامی روح نکالی جائے گی تو اس سے بدتر نتائج نظر آئیں گے تو اب تو پوری انسانی مشینری پیٹ کے گرد گھومتی ہے نا! اور تعلیم کا حاصل ہی یہ ہو گیا کہ پیسہ کمایا جائے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اب تو تعلیمی ادارے بکاؤ مال تیار کرتے ہیں، بکاؤ مال کہ یہ وہاں بکے گا جہاں پیسا زیادہ ملے گا، چاہے اسے خریدار ہندو ملے، عیسائی ملے، یہودی ملے، غیر مسلم ملے، مغرب ملے، مشرق ملے، یہ وہاں منڈی میں بکے گا جہاں پیسہ زیادہ ملے گا، بکاؤ مال تیار کرتے ہیں۔ قدریں، انسانیت، اسلام، ایما، اس کا تو دین مارا جا رہا ہے، بلکہ جتنی بڑی منڈی میں بکتا ہے وہ اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہے کہ میری قیمت بہت لگی ہے۔ سبق ہی یہی پڑھایا جا رہا ہے اور اس نئی نسل کے ساتھ یہ بڑا ظلم ہے، کسی قوم کا مستقبل دیکھنا ہو کہ یہ کل قوم کس روپ میں آئے گی اور کس قدر تعمیری اور اپنی قوم کو ملک کو آگے لے کر جائے گی، یہ دیکھنا ہو تو اس کے آج کے تعلیمی ادارے دیکھ لو! آج کی نئی نسل دیکھ لو!!

اقبالؒ قوموں کی پستی اور ذلت، عروج اور بلندی کے متعلق فرمایا کرتے تھے

آ تجھ کو بتاؤں! تقدیر اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رُبابِ آخر

جب اس کے نوجوانوں میں اپنی بیٹیوں کے تحفظ، بہنوں کے تحفظ کے لیے تیر اور تلوار ہو گی ناں، اس کے اندر غیرت ہو گی، حیا ہو گی، ایمان ہو گا، یہ اپنی قوم کی بیٹیوں کا بہنوں کا تحفظ کرے گا، اپنے ملک اور ملت کا تحفظ کرے گا، اپنے دینِ اسلام کے تحفظ کے لیے کھڑا ہو گا، یہ اس قوم کی بلندی ہے اور فرمایا اس قوم کی پستی اور ذلت دیکھنی ہے تو اپنی نئی نسل کو دیکھو، جب اس کے ہاتھوں میں گٹار ہوں گے، آلات موسیقی ہوں گے، یہ قوم کی ذلت اور پستی ہے تو کسی قوم کا مستقبل دیکھنا ہے تو اس کی آج کی نئی نسل دیکھ لو، ستر سال سے زائد ہو گئے ہیں یقین جانیے سب کچھ بنایا ہے، لیکن نہیں بنایا تو اپنی قوم کی تربیت پر توجہ نہیں دی۔ بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم کے ڈھونگ رچا لیجیے، معاشی تدابیر کر لیجیے اگر اسلام کی روح نہ رہی، سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ایسی ڈگریوں کا کوئی فائدہ نہیں، ایسے تعلیمی اداروں کا کوئی فائدہ نہیں، اس سے تخریب بڑھے گی تعمیر کوئی نہیں ہونی، تعمیر تو اس تعلیم سے ہے جس میں اسلام کی روح موجود ہو، جس میں دین کی زندگی موجود ہو، جس میں خوفِ خدا ہو، جس میں اعلیٰ اقدار کا سبق ہو، ستر سال میں کوئی ایک تعلیمی ادارہ اس ملک کا جس میں اربوں روپے کا بجٹ لگتا ہے، جہاں دیکھ کر کہا جائے یہاں مسلمان نسل تیار ہو رہی ہے، جہاں کہا جائے کہ یہ مسلمانوں کی اولاد تیار ہو رہی ہے، یہ مستقبل کے معمار ہیں۔ کوئی ایک ادارہ۔۔۔ وہاں اپنی بہنوں کی عزت بچانا مشکل ہو گیا ہے، وہاں اپنی بیٹیوں کی شرم و حیا بچانا مشکل ہو گیا ہے، وہاں ان نوجوانوں کی عفت پاکدامنی بچانا مشکل ہو گیا ہے، کیا اپنی نسل پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔۔۔ تو ایک مسلمان کو اپنی اولاد کی اپنی نئی نسل کی جو سب سے بڑی فکر ہوتی ہے، وہ اس کے ایمان کی ہوتی ہے۔ اب تو صرف مشینوں کے دفتروں کے کل پرزے بنا دینا، اسے کام یابی سمجھا گیا۔ پرزوں کی قیمت آپ اچھی لگائیں گے تو آپ کے دفتر میں کام کرے گا یہودی اچھی قیمت لگائے گا، یہودی کے دفتر میں کام کرے گا آپ کے دشمن اچھی قیمت لگائیں گے، وہ ان کے آلہ کار بن جائیں گے، اس میں تو مسلمانی جب رکھی ہی نہیں تو وہ پرزہ تو کسی بھی جگہ جا کر فٹ ہو جائے گا۔ اولادیں مسلمانوں کی، سرمایہ مسلمانوں کا، خون مسلمانوں کا اور فائدہ کون اٹھا رہا ہے؟ اللہ کے دشمن اٹھا رہے ہیں۔ اولاد نہیں بنائی، نسل نہیں بنائی، اس نئی نسل پر ہم نے کوئی توجہ ہی نہیں دی۔

تو مسلمان کی سب سے بڑی ترجیح تھی، مسلمان باپ کی، مسلمان ذمہ دار کی، مسلمان قومی ذمہ داروں کی، سب سے بڑی ترجیح یہ ہوتی تھی کہ اس اولاد میں دینی ایمانی روح پیدا ہو جائے، پھر ڈاکٹر بنائیے، انجینئر بنائیے سائنس دان بنائیے، مختلف شعبوں کے ماہرین پیدا کیجیے، لیکن اس کے اندر مسلمانی تو رہنے دیجیے!! تو ایک مسلمان۔۔۔ اللہ نے کیا بتایا ہے، ایک مسلمان اپنی اولاد کے لیے کیا دعا کرتا ہے۔

اور مفسرین نے لکھا کہ اگر اولاد نافرمان ہو جائے ناں، تب بھی اس دعا کا اہتمام کیا کرو ان شاء اللہ وہ بھٹکا ہوا بھی راہِ راست پر آجائے گا۔ اے اللہ! اس اولاد کو میرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ بڑے دکھی ہوتے ہیں ماں باپ، پہلے ایک دور تھا اولاد دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا ہوا کرتا تھا۔ اللہ کے نبی فرمانے لگے: ایک وقت آئے گا کہ اولاد ایسی ہو گی جو دل جلائے گی، خون جلائے گی، دکھ دے گی اور یہ قصور کس کا ہے کہ ہم نے انھیں گھر سے لے کر تعلیمی ادارے سے لے کر گلی محلوں میں دیکھ کر وہ اعلیٰ انسانی قدروں کا نمونہ دیا ہی نہیں، اعلیٰ اخلاق کا کوئی نمونہ دکھایا ہی نہیں، اعلیٰ سیرت کی اسے کوئی صحبت ملی ہی نہیں، جب اس کی زندگی کا حاصل اور مقصد ہی پیٹ ہے، حیوانیت کی ضروریات کو پورا کرنا ہے تو اس راستے میں جو رکاوٹ بنے گا، چاہے استاد ہو، چاہے باپ ہو، چاہے ماں ہو، وہ دشمن ہیں اس کے، بدخواہ ہیں تو اولاد اور اس نئی نسل کے لیے میرے عزیزو، کوئی فریضہ ہے ہمارے اوپر، کوئی ذمہ داری ہے، اس کے کچھ حقوق ہیں کہ ان کے اندر ایمان اور اسلام کی آبیاری ہو۔ اسلامی قدریں زندہ ہوں، اعلیٰ اخلاق ان پر ان کی تربیت ہو اور اس دعا کا اہتمام ہو

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ

حذیفہ رفیق

تعارف

کنیت: ابو عبد اللہ بصری، **علاقہ:** بصرہ۔ **پیدائش:** ۳۳ھ **وفات:** ۱۰۰ھ

مشہور اساتذہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر۔

مشہور تلامذہ: محمد بن سیرین، قتادہ، ثابت بنانی، ایوب سختیانی، محمد بن واسع۔

علما کی آراء: قتادہؒ کہتے ہیں "بصرہ کے پانچ بڑے فقہا میں سے ایک مسلم بن یسار ہیں۔ علاء بن زیاد کہتے ہیں، اگر میں تمنا کروں تو یہ تمنا کروں گا کہ مجھے حسن بصری جیسا تفقّہ ملے، ابن سیرین جیسا تقوی حاصل ہو، مطرّف جیسی درست رائے اور مسلم بن یسار جیسی نماز۔ حسن بصریؒ فرماتے تھے: کچھ لوگ علم رکھتے ہیں، لیکن عابد نہیں ہوتے اور کچھ عابد ہوتے ہیں، لیکن علم نہیں رکھتے، مسلم بن یسار عالم بھی تھے، عابد بھی تھے اور انتہائی ذہین اور سمجھ دار بھی تھے۔ بصرہ میں حسن بصریؒ سے پہلے مسلم بن یسار بصرہ کے بڑے مفتی تھے۔

عاشقِ نماز: ان کے بیٹے عبد اللہ بن مسلم بتاتے ہیں کہ ان کے والد جب نماز پڑھتے تھے تو ایسے کھڑے ہوتے تھے جیسے زمین پر کیل گاڑھ دی گئی ہو، بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی۔ مسلم بن یسار جب نماز پڑھتے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے ان پر کپڑا پھیلا دیا ہے، جب نماز پڑھنے لگتے تو گھر والوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ اپنی باتیں کرتے رہو، مجھے تمھاری باتوں کا کچھ علم بھی نہیں ہوگا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے، ان کے گھر میں آگ لگ گئی، بعد میں ان کو بتایا گیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے تو پتا بھی نہیں چلا۔ جعفر بن حیان کہتے ہیں: ایک دفعہ ان سے نماز میں اس قدر توجہ اور دھیان کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

وَمَا يُدْرِيكُمْ أَيْنَ قَلْبِيْ "تمھیں کیا خبر میرا دل اس وقت کہاں ہوتا ہے!"

مسلم بن یسار اور دیگر علما اور اسلاف امت کے بزرگوں کے نماز میں استغراق (یعنی مکمل طور پر نماز میں گم ہو جانے) کے واقعات کثرت سے ملتے ہیں، جس سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کے دلوں میں نماز میں کیسی اہمیت تھی اور ان حضرات کو نماز سے کیسا شغف تھا اور اللہ رب العزت کے حضور پہنچ کر ان پر کیسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نماز ہے ہی ایسی عظیم دولت، جو انسان کو ہر چیز سے بے گانہ کر دے اور صرف اپنے میں لگا لے، اللہ تعالی ہمیں بھی نماز کی حقیقت اور اس کی سچی لذت عطا فرمائے۔ آمین

نیز اگر کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا کہ ہم میں سے اکثر کے لیے اس درجے تک پہنچنا بہت مشکل ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس درجے تک پہنچنا نہ اصل معیار ہے، اور نہ ہی شریعت میں مطلوب ہے، بلکہ اصل مطلوب تو سنت کے مطابق، نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز پڑھنا ہے، یہ کیفیات اور حالات اگر حاصل ہو جائیں تو زہے قسمت اور نہ ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں کہ اصلی مقصود نہیں ہیں۔

اور یہ کیفیت حاصل ہونا بھی کوئی بعید نہیں کہ بے شک عظیم الشان دولت ہے، اللہ تعالی کے دربار کی حاضری ہے، اس میں انسان جتنا گم ہو جائے اتنا کم ہے، لیکن یہ چیز پیدا نہ ہونا بھی کوئی قابلِ ملامت چیز نہیں، چناں چہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھاتے ہوئے بچے کی رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر فرما دیتے، اس سے پتا چلا کہ آپ ﷺ نے نماز میں باہر ہونے والی چیز کو محسوس فرما لیا، یعنی نماز میں استغراق مطلوب نہیں ہے، لیکن اس سے ہمیں یہ سبق ضرور حاصل کرنا چاہیے کہ ہم اپنی نماز میں ترقی کریں اور نماز کی لذت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

دیگر صفات: عبد اللہ بن مسلم اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں:

"اگر کسی کو صدیق کے درجے تک پہنچنا ہے تو زبان سے برے الفاظ نکالنا، لعنت دینا، گالی دینا سے بچنا ضروری ہے۔"

مسلم بن یسار (غصے کی حالت میں بھی) کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے، سب سے زیادہ غصے کی شدّت میں یوں کہتے تھے: میرے اور تمھارے درمیان دوری ہو جائے! جب یہ جملہ کہہ دیتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ وہ شدید غصے میں ہیں۔ اسحاق بن سوید کہتے ہیں: "میں نے مسلم بن یسار کے ساتھ مکہ مکرمہ کا سفر کیا، پورے سفر میں ضرورت سے زائد کوئی بات نہیں فرمائی، مکہ کے قریب ذات عرق پر پہنچ کر فرمایا:

"ہم نے حدیث سنی ہے کہ ایک بندہ کو لایا جائے گا، اللہ تعالی فرمائیں گے: اس کا نامۂ اعمال دیکھو، اس میں کوئی نیکی نہیں ہو گی، پھر ارشاد باری ہوگا: اس کے گناہ دیکھو، اس میں کئی گناہ ہوں گے، اس کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا، اس کو لے جایا جانے لگے گا تو وہ پلٹ کر دیکھنے لگے گا اور کہے گا: اے للہ! میں نے آپ کی رحمت سے اچھا گمان رکھا تھا، اللہ تعالی فرمائیں گے: تو نے سچ کہا اور اس کے جنت کا فیصلہ فرما دیں گے۔"

سفیان ثوری فرماتے ہیں: ایک آدمی نے مسلم بن یسار کو کہا: مجھے مختصر اور جامع نصیحت فرمائیں، انھوں نے کافی دیر تک سر جھکائے رکھا، پھر فرمایا:

لَا تُرِدْ بِعَمَلِكَ غَيْرَ مَنْ يَّمْلِكُ ضَرَّكَ وَنَفْعَكَ

اپنے عمل سے صرف اسی کی رضا مقصود بناؤ جس کے ہاتھ میں تمھارا نفع اور نقصان ہے۔

اس نے مزید نصیحت کی درخواست کی، آپ نے فرمایا:

أَهْمِلْ رَجَاءَكَ وَلَا تَسْتَعْمِلْهُ، وَاسْتَشْعِرِ الْخَوْفَ وَلَا تُغْفِلْهُ

(اللہ تعالی سے) امید کو جلدی استعمال کرنے کے بجائے آیندہ کے لیے محفوظ رکھو اور اپنے اوپر (اللہ تعالی کی پکڑ اور سزا کا) خوف طاری رکھو اور اس سے غافل مت ہو۔

اس نے مزید کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: يَوْمَ الْعَرْضِ عَلَى رَبِّكَ لَا تَنْسَهُ

ایک دن تمھیں اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے، اسے کبھی مت بھولنا۔

اُمید اور خوف: معاویہ بن قرہ کہتے ہیں: میں ایک دفعہ مسلم بن یسار کے پاس پہنچا تو انھوں نے جہنم کے عذاب کے متعلق ایک حدیث سنائی، میں نے کہا: اے ابو عبد اللہ، واللہ ہم (اللہ کی رحمت کی) امید بھی کرتے ہیں اور (اس کے عذاب سے) ڈرتے بھی ہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ اس آدمی کی اللہ تعالی کی رحمت سے امید کی کیا قیمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشقت پر صبر نہیں کرتا اور مجھے نہیں معلوم اس شخص کے اللہ تعالی سے ڈر کی کیا اہمیت ہے جو اس سے ڈرنے کا دعوی کرے اور پھر اپنے نفس کو حرام خواہشات سے نہ روک سکے۔

معاویہ کہنے لگے: مجھے بڑی تنبیہ ہوئی، یقینا مسلم بن یسار مجھ سے بہتر تھے۔

اقوال: فرمانے لگے: مجھے اپنے ہر عمل کے بارے میں یہ خوف ہے کہ اس میں نیت کا فساد داخل ہو گیا ہو، سوائے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے محبت کے۔

فرمایا: مجھے دنیا کی صرف تین چیزوں پر رشک آتا ہے، ایک نیک پڑوسی، کشادہ رہائش گاہ اور نیک صالح بیوی۔

فرمایا: عمل ایسی پختہ نیت سے کرو جیسے تمھیں صرف تمھارا عمل ہی نجات دے گا اور توکّل اس یقین سے کرو کہ جو لکھا جا چکا ہے، وہی پیش آ کر رہے گا۔

فرمایا: جھگڑے سے بچتے رہنا، کیوں کہ ایسے وقت میں عالم سے بھی لغزش ہو جاتی ہے اور ایسے ہی موقع پر شیطان اس کی لغزش تلاش کرتا ہے۔

جب ان کے انتقال کی خبر حسن بصریؒ کو پہنچی تو وہ کہنے لگے: ہائے عظیم الشان معلم رخصت ہو گیا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

مسلمانوں کا جمِّ غفیر سرف کی جانب رواں تھا، وہ آہستہ آہستہ اُم المومنین کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس وقت ملول تو سب ہی تھے مگر ان میں کچھ ضعیف العمر صحابی ایسے بھی تھے جنہیں آج بھی اس مقام پر پہنچ کروائے عمرہ کا وہ زمانہ یاد آرہا تھا، جب صلحِ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان کے دوسرے برس وہ کعبۃ اللہ کی زیارت کے لیے رسول اللہ کی معیت میں مکہ مکرمہ کی طرف جارہے تھے اور قریش نے انھیں طعنہ دیا تھا کہ مدینہ کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو کم زور کردیا ہے، تب اللہ کے نبی ﷺ نے انھیں حکم دیا تھا کہ کعبہ کے تین طواف اکڑ کر لگاؤ، تاکہ کفار تمھیں کم زور نہ سمجھیں، تب سے وہ تین طواف اکڑ کر اور باقی اپنی درمیانی ہیئت میں لگاتے۔ یہ سنت ادا کرتے وقت انھیں اس واقعہ اور حضور ﷺ کی یاد تو ہمیشہ ہی آتی تھی، لیکن اس وقت ان کی داڑھیاں اشکوں سے تر تھیں۔

یہ وہی مقام تھا جہاں اسی عمرہ کے بعد ام المومنین حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد واپسی میں حضور ﷺ نے اسی مقام پر قیام کیا تھا اور آج اسی مقام پر مسلمان ان کا جنازہ لے کر آئے تھے، اس وقت بے شک یہ یاد رسول اللہ کی تھی، جنھیں یادِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ام المومنین کا خیال بھی تھا۔ ان کی آنکھیں نم تھیں اور زیرِلب کلمہ پڑھ رہے تھے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے جو کہہ رہے تھے:

"مسلمانو! آہستہ روی سے قدم بڑھاؤ، تمہارے کاندھوں پر زوجہ رسول کا جسم مبارک ہے، ایسے چلو کہ ان کے آرام میں خلل نہ پڑے اور دیکھو وہ میری خالہ بھی ہیں اور آرام کی نیند سو رہی ہیں۔"

یہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ تھیں، ان کا اصل نام مبرہ بنت حارث تھا۔ حارث بن حزن قبیلہ بنو ہلال کے ایک معزز انسان تھے جو قریش کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ ان کی والدہ ہند بنت عوف بن زبیر، قبیلہ حمیر سے تھیں۔

حضرت میمونہؓ اپنے والد کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا۔ مسعود بن عمرو سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، تب ان کا دوسرا نکاح ابو دہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا، مگر سات ہجری میں بیوہ ہوگئیں، اس وقت ان کی سگی بہن ام الفضل کے شوہر اور ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"یارسول (ﷺ)! میری سالی مبرہ بیوہ ہوگئی، آپ اس سے عقد کرلیجیے۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، حضرت عباس بن عبدالمطلب اپنے سوال کے جواب کے منتظر تھے تو دربارِ رسالت ﷺ سے حکم ملا کہ مسلمان ادائے عمرہ کی تیاری کریں اور جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی رہ نہ جائے۔

یہ ذی القعدہ کا مہینا اور سات ہجری تھا، جب مسلمان اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا جمِّ غفیر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی مہار عبداللہ بن رواحہؓ نے پکڑی ہوئی تھی۔ اس برس ہجرت کے بعد پہلی بار مسلمانوں نے کعبۃ اللہ کی زیارت کی اور یہاں پر تین یوم قیام فرمایا، اس دوران احرام کی حالت میں ہی حضور ﷺ اور حضرت میمونہؓ کا نکاح ہوا۔

پانچ سو درہم حق مہر کے عوض یہ عقدِ نکاح ہوا تھا۔ حضور ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ گئے اور اپنے غلام ابو رافع کو حکم دیا کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کو لے آئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ ام المومنین حضرت میمونہؓ آپ ﷺ کے وصال کے بعد کم و بیش اکیس برس زندہ رہیں اور ہر موقع پر آپ ﷺ کی نجی زندگی کا حوالہ دے کر اُمت کو درس دیتی رہیں۔

ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور پوچھا:

"اُم المومنین جنت میں کون کون جائے گا؟"

اس پر ام المومنین نے جواب دیا۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی میری رسالت اور اس امر کا یقین رکھتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں جائے گا۔"

ایک مرتبہ کچھ عورتیں قرض کی بابت بحث کررہی تھیں، اُم المومنین حضرت میمونہؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ضرورت کے وقت ادا کردینے کی نیت سے قرض لے اور اتار دینے کی سکت رکھتا ہو، مگر ٹال مٹول کرتا رہے تو یہ ٹال مٹول اس کی آبرو کو ہلاک کردیتا ہے۔

ایک بار ایک عورت حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کیا:

ام المومنین! میں گلے کے مرض میں مبتلا ہوں اور ہر علاج کرچکی ہوں، مگر افاقہ نہیں ہوا؟

یہ سن کر ام المومنین نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے کے مرض میں علاج کے لیے تلاوتِ کلامِ پاک کی نصیحت کرتے ہوئے سنا ہے۔

اس عورت نے سوال کیا: ام المومنین! کیا قرآن پاک جسمانی امراض کا بھی علاج ہے؟

فرمایا: ہاں، میں نے رسول اللہؐ سے ایسا ہی سنا ہے۔

الغرض کہ احکام نبوی ﷺ کی تعلیم اور تعمیل ہر ہر لمحہ آپ کے پیشِ نظر رہی۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں وفات پائی۔ ان کی نمازِ جنازہ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پڑھائی اور موضع سرف میں انھیں دفن کیا، جہاں پر پہلی بار اُم المومنین بن کر انھیں آفتابِ رسالت ﷺ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا تھا، وہی جگہ ان کا مدفن بنی۔

Perfect®
FRESHENER
رہو خوشبوؤں میں
Available on daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner & panda mart
perfectairfreshener
PFreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

حرمتِ رضاعت کی اصولی وضاحت

سوال: حرمتِ رضاعت کے اہم احکام کیا کیا ہیں، تفصیل سے بتائیں۔

جواب: صورتِ مسئولہ سے متعلق اصولی مسئلہ یہ ہے کہ جو بچہ رضاعت کی مدّت میں (شیر خواری کا زمانہ، جو کہ دو سال کا ہوتا ہے) کسی عورت کا دودھ پیتا ہے تو اس دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ صرف اس دودھ پینے والے بچے کا رضاعی رشتہ ثابت ہو جاتا ہے، یعنی کہ وہ بچہ اس عورت کا رضاعی بیٹا بن جاتا ہے اور چوں کہ یہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے، اس لیے اس کی اولاد کے ساتھ بھی اس کا رضاعی رشتہ قائم ہو جاتا ہے، یعنی کہ اس عورت کی بیٹیاں اس بچے کی رضاعی بہنیں بن جاتی ہیں اور اس کے بیٹے اس بچے کے رضاعی بھائی بن جاتے ہیں، جبکہ اس دودھ پینے والے بچے کے علاوہ اس کی دیگر بہنوں اور بھائیوں کا اس عورت اور اس کی اولاد کے ساتھ حرمتِ رضاعت کا رشتہ قائم نہیں ہوتا، کیوں کہ انھوں نے اس عورت کا دودھ نہیں پیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت اور اس کی اولاد کا صرف دودھ پینے والے بچے کے ساتھ رضاعی رشتہ قائم ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں دودھ پینے والے بچے کے ساتھ دودھ پلانے والی عورت کی اولاد کا نکاح جائز نہیں ہوتا، جبکہ دودھ پینے والے بچے کے دیگر سگے بھائیوں اور بہنوں کا اس عورت اور اس کی اولاد کے ساتھ رضاعت کا رشتہ

قائم نہیں ہوتا، اس لیے ان کا نکاح اس عورت کی اولاد کے ساتھ جائز ہے۔

اس کی مثال یہ سمجھیے کہ جیسے: زید نے فاطمہ کا دودھ پیا تو فاطمہ زید کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور فاطمہ کے بیٹے اور بیٹیاں زید کے رضاعی بھائی اور بہنیں بن جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں صرف زید کا رضاعی رشتہ فاطمہ اور اس کی اولاد کے ساتھ قائم ہو جائے گا، کیوں کہ دودھ صرف زید نے پیا ہے اور چوں کہ زید کے دیگر بھائیوں اور بہنوں نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا، اس لیے ان کا فاطمہ اور ان کی اولاد کے ساتھ رضاعی رشتہ قائم نہیں ہوگا، گویا کہ وہ بدستور اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہیں گے۔

اس اصول سے درج ذیل مسائل واضح ہو جاتے ہیں:

1. فاطمہ کی بیٹیوں سے زید کا نکاح جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ اس کی رضاعی بہنیں ہیں، اس لیے کہ اس نے فاطمہ کا دودھ پیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ "اپنی رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں۔"
2. زید کے دیگر سگے بھائیوں کا نکاح فاطمہ کی بیٹیوں کے ساتھ جائز ہے، کیوں کہ صرف زید نے فاطمہ کا دودھ پیا ہے، اس لیے صرف زید ہی فاطمہ کا رضاعی بیٹا ہوگا، جبکہ زید کے علاوہ اس کے دیگر سگے بھائیوں نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا، اس لیے وہ فاطمہ کی بیٹیوں کے رضاعی بھائی نہیں بنیں گے۔ اسی تناظر میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ "سگے بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے۔"
3. فاطمہ کے بیٹوں کا نکاح زید کی سگی بہنوں کے ساتھ جائز ہے، کیوں کہ ان کا آپس میں رضاعت کا کوئی رشتہ نہیں کیوں کہ انھوں نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا۔ اسی تناظر میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ "رضاعی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے۔"

تنبیہ: مذکورہ صورتوں میں نکاح کا جائز ہونا اس شرط کے ساتھ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح کے ناجائز ہونے کی کوئی اور وجہ موجود نہ ہو۔

وضاحت: بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ کوئی بچہ جب کسی عورت کا دودھ پیتا ہے تو اس صورت میں اس عورت کے صرف اس بچے کے ساتھ رضاعت کا رشتہ قائم ہوتا ہے جو اس وقت اپنی ماں کا دودھ پی رہا ہو، یعنی جس نے اس بچے کے ساتھ ایک ہی مدّت میں دودھ پیا ہو۔ یہ واضح غلطی ہے۔ درست مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شیر خوار بچہ کسی عورت کا دودھ پیتا ہے تو اس کی تمام اولاد کے ساتھ اس کا رضاعی رشتہ قائم ہو جاتا ہے، چاہے انھوں نے اس بچے سے پہلے دودھ پیا ہو یا اس کے ساتھ دودھ پیا ہو یا اس کے بعد دودھ پیا ہو۔

کیا انسان کو سزا بھگتنے کی مشین بنایا گیا ہے؟

سوال: میں کالج کی طالبہ ہوں، لیکن مجھے کچھ دن سے ایک مسئلہ پریشان کر رہا ہے، وہ یہ کہ انسان جوڑوں کی شکل میں جنت کا باسی بنایا گیا تھا، لیکن حضرت حوّا علیہا السلام کے کہنے کے مطابق ممنوعہ پودے سے اس کا پھل کھانے کی وجہ سے اللہ نے سزا کے طور پر جنت سے نکال کر دنیا میں پھینک دیا۔ جب سے انسان دنیا میں آیا ہے، وہ سزا بھگت رہا ہے اور قرآن کے مطابق بہت سی امتوں کو اس بنا پر دنیا میں نیست و نابود کر دیا، یعنی کہ انسان کو جنت سے نکالنے کی بنا پر دُہری سزا اس کو مل رہی ہے، بلکہ دنیا میں بھی اللہ کی طرف سے سزا دی جا رہی ہے جو کہ تہری سزا ہوئی، اس کے بعد اگر کوئی انسان اس دنیا میں کوئی جرم بھی کر لیتا ہے تو قانون کے مطابق اسے اس دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے جو کہ چوتھی سزا ہوئی، اس کے بعد آدمی مر جاتا ہے تو قبر میں بھی اسے سزا دی جاتی ہے، اس کے بعد قیامت میں بھی سزا ہے، وہ دوزخ کی سزا ہے جہاں گناہ گار بہت عرصے تک رہے گا اور اگر دوزخ سے نکالا بھی گیا تو اس کی پیشانی کو بھی داغ دیا جائے گا، اس کے بعد جنتی کہیں گے کہ دوزخی آیا ہے۔

اتنی ساری سزاؤوں کو دیکھ کر ذہن اُلجھ جاتا ہے کہ کیا انسان کو سزا بھگتنے کی مشین بنایا گیا ہے؟؟؟

جواب: آپ کی ساری پریشانی اس بنا پر ہے کہ آپ نے ایک غلط کہانی اپنے ذہن میں

تصنیف کرلی ہے۔ حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام سے شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کی جو خطا سرزد ہوئی تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے معافی طلب کرنے پر انھیں معاف کردی تھی، معافی کے بعد اس کا کوئی اثر نہ ان پر رہا اور نہ ان کی اولاد پر۔ دنیا میں بھیجا جانا بطورِ سزا نہیں تھا، بلکہ خلیفۂ ارضی کی حیثیت سے تھا، اس لیے دنیا میں بھیجے جانے کا اس سزا سے کوئی تعلق نہیں اور نہ نافرمان قوموں کے ہلاک کیے جانے کا اس سے کوئی تعلق ہے۔ ان نافرمان قوموں کو ان کی اپنی سرکشی اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے ان کے گستاخانہ برتاؤ کی وجہ سے ہلاک کیا گیا۔ قصہ آدم و حوّا علیہما السلام سے ان کی ہلاکت کا جوڑ لگانا بے معنی بات ہے۔ اس طرح دنیا میں بھی انسان کو اس قصّے کی وجہ سے کوئی سزا نہیں دی جاتی، لہٰذا ان تین سزاؤں کا افسانہ تو آپ کا طبع زاد ہے، جس کا نفسِ واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بعد کی جو تین سزائیں آپ نے ذکر کی ہیں، وہ صحیح ہیں۔ یعنی ہر آدمی کو اس کے برے اعمال کی کچھ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تازیانۂ عبرت ہوتا ہے کہ آدمی سدھر جائے اور قبر میں جو سزا ملتی ہے، یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور اگر سزا سے تمام گناہ جھڑ گئے تو آخرت کی سزا سے بچ جائے گا اور آخرت میں اہلِ ایمان کے لیے جو سزا ہے، وہ بھی حقیقت میں سزا نہیں، بلکہ تطہیر یعنی پاک کرنے کے لیے ہے، جس طرح میلے کچیلے کپڑوں کو دھوبی بھٹی میں ڈالتا ہے، گویا اہلِ ایمان کے ساتھ تو دنیا میں بھی، برزخ میں بھی اور آخرت میں بھی رحمت ہی رحمت کا معاملہ ہوتا ہے، البتہ کفار اور بے ایمان لوگ جنھوں نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت اور تکذیب کی، ان کو بلاشک سزا ہوگی اور ان کو سزا دینا بھی اہلِ ایمان کے حق میں رحمت ہے، جس طرح کے دنیا میں ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کو قید کرنا شریف انسانوں کے لیے اور معاشرے کے لیے رحمت ہے اور آخرت میں سزا دینا بھی اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے درمیان امتیاز کے لیے ہے۔

یہ تو میں نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کو ان کی بداعمالیوں پر دنیا میں، برزخ میں یا آخرت میں سزا ملتی ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ سزا کی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ دنیا میں، برزخ میں اور آخرت میں رحمت ہی رحمت کا معاملہ کیا جانا بالکل ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ "انسان کو صرف سزا بھگتنے کی مشین بنایا گیا ہے" خود سوچیے کہ یہ کتنی بے جا بات ہے!!!

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ "میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی ہے۔" اگر نظرِ صحیح سے کام لیا جائے تو نظر آئے کہ ہم ہر آن اور ہر لمحہ حق تعالیٰ شانہٗ کے بے انتہا انعامات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف نعمتیں ہی نعمتیں اور رحمتیں ہی رحمتیں نظر آتی ہیں، لیکن یہ ہماری کج نظری ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار انعامات پر ہماری نظر نہیں جاتی اور نہ ہم ان انعامات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نہ ان کو سوچتے ہیں جس سے جذبہ شکر اور داعیہ محبت پیدا ہو۔ اگر کبھی ہماری لغزشوں پر معمولی سی تنبیہ اور گوشمالی کی جاتی ہے تو ہم شکایات کا دفتر کھول بیٹھتے ہیں، لیکن اپنی اصلاح کی توفیق ہمیں اس وقت بھی نہیں ہوتی، بقول شاعر

جب میں کہتا ہوں کہ یااللہ! میرا حال دیکھ!
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ!

کیا تمام مذاہب کے لوگ بخشے جائیں گے؟

سوال: ایک شخص نے یہ کہا کہ کوئی ضروری نہیں کہ قرآن وحدیث کے پابند اشخاص ہی بخشے جائیں گے، بلکہ تمام مذاہب کے لوگوں کی بخشش ہوگی۔

جواب: واضح رہے کہ یہ عقیدہ کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد کے تمام مذاہب کے لوگوں کی بخشش ہوگی، خالص کفر ہے، کیوں کہ دیگر مذاہب کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن کریم میں جابجا تصریحات موجود ہیں کہ ان کی بخشش نہیں ہوگی، پس جو شخص اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہو، وہ یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ تمام مذاہب کے لوگ بخشے جائیں گے۔

غیر مسلموں کے اچھے اعمال کا بدلہ

سوال: اگر کوئی غیر مسلم نیکی کا کوئی کام کرے۔ مثلاً: کہیں کنواں کھدوادے یا مخلوقِ خدا سے رحم وشفقت کا برتاؤ کرے تو کیا غیر مسلم کو نیک کام کرنے پر اجر ملے گا؟

جواب: واضح رہے کہ نیکی کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے اور ایمان کے بغیر نیکی ایسی ہے جیسے روح کے بغیر بدن، اس لیے اس کو آخرت میں اجر نہیں ملے گا، البتہ دنیا میں ایسے اچھے کاموں کا بدلہ چکا دیا جاتا ہے۔

مکان کی بنیاد میں خون ڈالنے کا حکم

سوال: میں نے ایک عدد پلاٹ خریدا ہے اور میں اس کو بنوانا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تو ہمارے بہت سے رشتے دار کہنے لگے کہ "اس کی بنیادوں میں بکرے کو ذبح کرکے اس کا خون ڈالنا اور گوشت غریبوں میں تقسیم کردینا اچھا ہے۔" اور بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ "بنیادوں میں تھوڑا سا چاندی یا سونا ڈالو، ورنہ آئے دن بیمار رہوگے۔" میں نے جہاں پلاٹ لیا ہے وہاں بہت سے مکان بنے ہیں اور زیادہ تر لوگوں نے بکرے وغیرہ کا خون بنیادوں میں ڈالا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے استاذ سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ "میاں! خون اور سونا یا چاندی بنیادوں میں ڈالنا سب ہندوانہ رسمیں ہیں۔" اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ کے استاذ صاحب نے صحیح فرمایا ہے۔ مکان کی بنیاد پر بکرے کا خون یا سونے چاندی ڈالنے کی کوئی شرعی اصل نہیں۔

ابو ریحان البیرونی بیک وقت ایک فقیہ، ماہرِ صرف و نحو، فلسفی، سیّاح، ماہرِ نباتات، طبیب، ماہرِ فلکیات، ماہرِ لسانیات، ریاضی دان، جغرافیہ دان، ماہرِ ارضیات، ماہرِ بشریات، ماہرِ سماجیات، تاریخ دان، کیمیادان، ماہرِ طبیعات و مابعد طبیعات، ماہرِ نجوم، طبیب، ماہرِ علمِ کلام، ماہرِ نفسیات، محقّق، ماہرِ عمرانیات اور سب سے بڑھ کر ایک سچے مُسلمان تھے اور البیرونیؒ بابائے تقابلِ ادیان اور بابائے ہندوستانیات بھی ہیں، کیوں کہ اُنھوں نے ہی دُنیا میں پہلی مرتبہ یہ مضامین متعارف کرائے۔

ابو ریحان البیرونیؒ سن 973ء کو اُس زمانے کی سلطنتِ خوارزم اور آج کے ازبکستان کے علاقے بیرون میں پیدا ہوئے۔ بیرون فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں "شہر کے باہر کی جگہ" چوں کہ یہ علاقہ سلطنتِ خوارزم کے دار الحکومت "کتھ" کے بیرونی حصّے میں تھا، اس لیے اس علاقے کا نام "بیرون" پڑ گیا۔ اسی نسبت سے اُنھیں بیرونی کہا جاتا ہے۔ اُن کے والد اُن کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ اسی لیے بچپن نہایت غُربت و افلاس میں گُزرا، لیکن اُن کی والدہ ایک عظیم اور باہمّت خاتون تھیں۔ وہ اپنے ننھے بیٹے کے ساتھ جنگل جاتیں اور لکڑیاں جمع کرتیں اور بستی میں فروخت کرکے گزر بسر کرتیں۔ اس دوران البیرونی پھولوں، جڑی بوٹیوں اور پودوں کا مُشاہدہ اور معائنہ کرتے اور اُنھیں جمع کرتے۔ اُنھیں پھولوں سے بہت رغبت تھی۔ وہ خوب صورت پھول چُنتے اور گھر آکر ایک گلدستے میں سجا دیتے، جن سے پورا گھر خوش بو سے معطر ہو جاتا۔

ریحان عربی میں خوش بودار پھول کو کہتے ہیں۔ اپنے بیٹے کی پھولوں میں غیر معمولی دل چسپی کو دیکھتے ہوئے اُن کی والدہ نے اُنھیں "ابو ریحان" کہنا شروع کر دیا، یعنی پھولوں سے رغبت رکھنے والا۔ اُن کی والدہ کی خواہش تھی کہ اُن کا بیٹا علم و حکمت کی دُنیا میں اونچا مقام پیدا کرے۔ اُنھوں نے اس کے لیے اپنے بیٹے پر خصوصی توجہ رکھی۔

ایک مرتبہ البیرونی جنگل میں جڑی بوٹیوں کا جائزہ لے رہے تھے کہ انھیں ایک یونانی ماہرِ نباتات نے دیکھا کہ یہ لڑکا اتنی کم عُمری میں کس طرح پیڑ، پودوں اور پھولوں میں دل چسپی لے رہا ہے۔ اُس یونانی حکیم نے ابو ریحان البیرونیؒ سے کہا:

"ارے واہ بیٹے! تمھیں دیکھ کر لگتا ہے کہ تمھیں ان پھولوں سے بہت رغبت ہے۔"

البیرونی نے کہا: "جی بابا! میرا بس چلے تو میں ہر جگہ پھول ہی پھول لگا دوں اور ان کی خوش بو سے سارا ماحول معطر کر دوں۔"

"بہت خوب بیٹے! تم ایک دن بہت بڑے ماہرِ نباتات بنو گے۔"

چناں چہ اُس یونانی ماہرِ نباتات نے البیرونی کو اپنی شاگردی میں لے لیا۔ تین سال تک انھیں ساتھ رکھا اور واپس یونان جاتے ہوئے اُس حکیم نے البیرونی کو خوارزمی شہزادے اور علمِ فلکیات اور ریاضی کے ماہر ابو نصر منصور علی کی شاگردی میں دے دیا۔ یہ شہزادہ البیرونی کی غیر معمولی صلاحیتوں سے ایسا متاثر ہوا کہ نہ صرف اُن کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا، بلکہ اُنھیں تجربات کرنے کے لیے ایک تجربہ گاہ بھی تعمیر کروا دی۔ اس سے اُس وقت کے مُسلمانوں کی علم دوستی اور سائنس دانوں کی قدر دانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ سلطنتِ خوارزم کی سرپرستی میں البیرونی دن بہ دن ترقّی کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا چناں چہ خوارزم کے دربار کا چہیتا سائنس دان البیرونی اپنی تحقیق و جُستجو میں مصروف تھا کہ سلطنت میں بغاوت ہو گئی اور خوارزم کا تختہ اُلٹ گیا۔ اب البیرونی کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ چاروناچار البیرونی وہاں سے ہجرت کرکے جرجان چلے گئے۔ جرجان کے حاکم شمس المعالی قابوس نے بھی البیرونی کے علم و ہنر کو سراہا اور اُنھیں عزت و خلعت بخشی۔ البیرونی نے وہاں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "آثار الباقیہ" لکھی اور اُن کی خدمت میں پیش کی۔ یہ کتاب ریاضی اور علمِ نجوم میں استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ اب علی بن مامون خوارزم کے بادشاہ بنے۔ وہ بہت علم پرور حاکم تھے، چناں چہ مُلک میں امن و امن قائم ہو گیا اور علما کو سراہا جانے لگا، البیرونیؒ واپس اپنے وطن خوارزم آگئے۔ یہاں علی بن مامون نے اُن کا شاہانہ استقبال کیا اور اُنھیں علمِ فلکیات کی شاہی تجربہ گاہ کا سربراہ بنایا گیا۔ علی بن مامون معروف مسلمان سپہ سالار محمود غزنویؒ کے بہنوئی تھے۔ علی بن مامون نے خوارزم میں علما و مشاہیر کی ایسی مجالس قائم کیں، جن میں ہر فرد علم و حکمت کا بحرِ ذخّار تھا۔ اس مجلس میں بابائے طب بو علی سینا، معروف فلسفی اور سائنس دان ابنِ مسکویہ اور البیرونی کے اُستاذ ابو نصر عراقی جیسے عظیم لوگ شامل تھے۔ البیرونی ایک مذہبی انسان تھے اور اُن پر شریعت کا غلبہ تھا۔ دوسری جانب بو علی سینا فلسفے کو ترجیح دیتے تھے، چناں چہ دونوں میں بحث رہتی تھی۔

شومئی قسمت کہ علی بن مامون کو ایک سازش کے تحت قتل کر دیا گیا۔ اپنے بہنوئی کے قاتلوں کا بدلہ لینے کے لیے سُلطان محمود غزنوی نے خوارزم پر چڑھائی کر دی۔ البیرونیؒ ایک بار پھر گردشِ حالات کی زد میں تھے، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سُلطان کو اہلِ علم و فن سے بڑی رغبت تھی، چناں چہ محمود غزنویؒ نے البیرونیؒ کو اپنی ہر مُہم میں اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے بعد البیرونیؒ کو سلاطینِ غزنی کی سرپرستی حاصل رہی اور وہ ہمیشہ آرام و اطمینان سے رہے۔

محمود غزنویؒ کے ہندوستان پر مشہور سترہ حملوں میں البیرونیؒ اُن کے ساتھ تھے۔ اسی موقعے سے فائدہ اُٹھا کر البیرونیؒ نے ہندوستان اور ہندوؤں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ محمود غزنویؒ کا دورِ حکومت سن 899ء سے سن 1030ء تک رہا اور اسی دور میں جب البیرونی ہندوستان گئے تو وہاں کے حالات و واقعات اور مشاہدات کا بنظرِ عمیق جائزہ لیا اور ایک کتاب "کتاب الہند" کے عنوان سے لکھی جو بلا مبالغہ ہندوستان کا پہلا سفر نامہ ہے۔ اسی بنا پر آپ کو "بابائے ہندوستانیات" کہا جاتا ہے۔ اسی کتاب میں اُنھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کا تقابلی جائزہ لیا، جس کی وجہ سے اُنھیں "تقابلِ ادیان کا بانی" بھی کہا جاتا ہے۔ ایک نہایت دل چسپ بات یہ ہے کہ البیرونیؒ نے ہندو قوم کے بعض انتہا پسند لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک ہندو پھل والے کے پاس پھل خریدنے گئے، جس سیب کو البیرونیؒ دیکھنے کے لیے ہاتھ لگاتے، وہ ہندو اُسے اُٹھا کر پھینک دیتا یعنی وہ مسلمانوں کو گندا سمجھتا تھا۔ یہی واقعہ ہمارے مرحوم دادا جان رفیع اللہ خان کے ساتھ پیش آیا۔ ہندوستان میں ایک ٹھیلے والے سے وہ امرود لینے لگے تو جس امرود کو وہ ہاتھ لگاتے ٹھیلے والا ہندو اُسے پھینک دیتا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سارے ہندو ایسے ہی ہیں بلکہ یہ اُن کا انتہا

پسند طبقہ ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے۔

البیرونیؒ نے ہندو مذہب اور ہندوؤں کے رسوم و رواج کا از خود مشاہدہ کیا۔ برہمن لوگ اُس وقت سنسکرت زبان کسی اور مذہب کے آدمی کو تو کیا کسی غیر برہمن ہندو کو بھی سیکھنے نہیں دیتے تھے، لیکن سلام ہے ابوریحان البیرونی کی عظمت پر کہ اُنھوں نے برہمنوں کے اس درجہ سختی کے باوجود سنسکرت زبان میں مہارت حاصل کرلی، یہاں تک کہ ہندوؤں کو بھی اُن کی ذہانت اور قابلیت کو ماننا پڑا، چناں چہ ہندوؤں نے ابو ریحان البیرونی کو "ودیا ساگر" کا لقب دیا۔ یہ سنسکرت زبان کا مرکب ہے۔ ودیا کے معنی ہیں "حکمت" جبکہ ساگر کا مطلب ہے "سمندر"، اس طرح ودیا ساگر کا مطلب بنا "حکمت کا سمندر"۔ عام طور پر ہندوستان کے رہنے والے باہر کے لوگوں کو عمومی طور پر اور مسلمانوں کو خصوصی طور پر غیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن ابوریحان البیرونی کی علم، جستجو اور لگن کی وجہ سے ہندو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے۔ جہاں اُنھوں نے ہندوؤں کو اسلام کی حکمت بھری باتیں بتائیں، وہیں ہندوؤں سے یوگا کی مشقیں بھی سیکھیں۔ اُس وقت کے ہندوستان اور آج کے پاکستان میں چکوال کے علاقے میں ہندوؤں کا دوسرا مقدّس ترین مقام کٹاس راج مندر ہے۔ ابوریحان البیرونیؒ نے انھی مندروں میں رہ کر ہندومت اور سنسکرت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اسی طرح اُس وقت کے ہندوستان اور آج کے پاکستان کے علاقے جہلم میں پنڈ دادن خان کے ایک پُر فضا مقام "نندانا" کے قلعے سے ابوریحان البیرونی نے زمین کا قطر ناپا۔

حکومتِ پاکستان نے اس جگہ کی تاریخی اہمیت جانتے ہوئے اسے تاریخی ورثہ قرار دیا ہے۔ البیرونیؒ نے اس قلعے کو رسدگاہ کے طور پر استعمال کیا۔ اس سے البیرونیؒ کے علم کی جستجو اور لگن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ البیرونیؒ نے ہندی اور یونانی فلسفہ پڑھا لیکن اُن کے عقائد پکّے اسلامی تھے۔ جب کہ دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر مسلمان فلسفی یونان کے عظیم مفکّر ارسطو سے مُتاثر نظر آتے ہیں اس کے برعکس البیرونیؒ نے ہمیشہ اسلامی عقائد کا دفاع کیا بلکہ اُن مُسلم سائنس دانوں کی بیخ کُنی کی جنھوں نے ارسطو کے عقائد و نظریات کو حرزِ جاں بنالیا تھا۔

البیرونیؒ نے محمود غزنویؒ کے بعد اُن کے بیٹے مسعود غزنوی کا دور بھی دیکھا جو سن 1030ء سے 1040ء تک دس برس پر مُحیط تھا۔ مسعود غزنوی بھی اپنے والد کی طرح البیرونیؒ کو بہت عزیز رکھتے تھے، اسی لیے البیرونیؒ نے اپنی ایک "قانونِ مسعودی" کے نام سے لکھی۔ یہ علمِ فلکیات اور ریاضی کی نہایت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے البیرونی کو ایک عظیم سائنس دان اور ریاضی دان مانا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اُن کی کتب کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ انھیں فارسی، عربی، عبرانی، سُریانی اور سنسکرت زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

البیرونیؒ نے نوعیتی وزن متعین کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ زاویے کو تین برابر حصّوں میں تقسیم کیا۔ مائع پر دباؤ اور اُن کے توازن پر نظریے اور عملی اعتبار سے تحقیق کی۔ اُنھوں نے بتایا کہ فوّاروں کا پانی نیچے سے اوپر کیسے جاتا ہے۔ البیرونیؒ نے یہ بھی واضح کیا کہ ایک دوسرے سے متّصل مختلف الاشکال برتنوں میں پانی اپنی سطح کیوں کر برقرار رکھ سکتا ہے۔ اُنھوں نے مُحیطِ ارض نکالنے کا طریقہ وضع کیا۔

البیرونیؒ کو اُن کی حیات ہی میں "الاُستاذ" کہا جانے لگا تھا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ مغرب کے سولھویں صدی عیسوی کے معروف سائنس دان گیلیلیو گیلیلی سے چھ سو سال قبل گیارھویں صدی عیسوی میں ابوریحان البیرونیؒ نے جب پہلی بار اس بات کو واضح کیا کہ دُنیا اپنے مدار کے گرد گردش کرتی ہے تو اُس وقت کے علما و مشائخ نے اس تحقیق کو سراہا۔ اس کے برعکس چھ سو سال بعد جب یہی بات گیلیلیو گیلیلی نے اٹلی میں کہی تو وہاں کے پادریوں نے اُس سے دربار میں سرِ عام معافی منگوائی اور پھر تاحیات نظر بند کردیا۔

چاند میں بہت سے گڑھے ہیں جنھیں انگریزی میں crater کہتے ہیں۔ کریٹر کے معنی "گڑھے" کے ہیں اور زمین پر کسی غیر معمولی کام کرنے والے کی عظمت کو واضح کرنے کے لیے ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے کا نام اُس شخصیت سے منسوب کردیا جاتا ہے۔ البیرونیؒ کے علمی کارناموں کے پیشِ نظر چاند کے ایک دہانے کا نام "Alberuni Crater" رکھا گیا ہے جو عالَمِ اسلام کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ یہی نہیں بلکہ برِّاعظم انٹار کٹیکا کے ایک جزیرے کا نام بھی "بیرونی جزیرہ" رکھا گیا ہے۔

اہلِ مغرب بھی ابوریحان البیرونیؒ کو دُنیا کے عظیم ترین سائنس دانوں میں شمار کرتے ہیں۔ البیرونیؒ نے بے شمار علوم وفنون پر کئی مقالے اور کتب لکھیں۔ البیرونیؒ کی معروف کُتب یہ ہیں:

1 آثارُ الباقیہ (تاریخ اور جُغرافیہ) 2 کتاب الجواہر (قیمتی پتّھروں پر تحقیق)

3 قانونِ مسعودی (فلکیات) 4 التفہیم الصناعۃ التنجیم (فلکیات اور ریاضی)

5 کتابُ الہند (ہندوستان کی تہذیب وتمدّن پر جامع کتاب)

بالآخر علوم وفنون کے اس بحرِ بیکراں نے افغانستان کے معروف شہر اور اُس وقت کے دارالحکومت غزنی میں سن 1070ء کو وفات پائی۔ اِن کا مزار غزنی میں شہرت کا حامل ہے۔ لوگ اُن کے مقبرے پر آکر انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

خُدا رحمت کُند این عاشقانِ پاک طینت را

کینسر
بچاؤ کی تدابیر اور علاج

حکیم شمیم احمد

کینسر کا علاج

اس کے علاج کے لیے دو نئے طریقے آزمائے جا رہے ہیں۔ ایک طریقے میں تو انسانی جسم کی قوتِ مدافعت کو بڑھایا جاتا ہے، تاکہ مریض خود مقابلہ کرکے اس کو ختم کر سکے، جس کے مابعد اثرات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ دوسرا طریقہ علاج کیمیائی مرکبات سے ہے خواہ وہ جڑی بوٹیوں سے حاصل کیے جائیں یا مصنوعی طور پر لیبارٹری میں تیار کرکے استعمال کروائے جائیں۔ اس طریق علاج میں مابعد اثرات بہت زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ دیگر صورتوں میں ایک قسم کے کینسر کے علاج سے دوسری قسم کا کینسر پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلا طریقہ علاج مرض کے ابتدائی مراحل میں کافی کامیاب ثابت ہوا ہے۔ بعض حالات میں آپریشن سے کینسر زدہ حصہ کاٹ کر نکال دیا جاتا ہے۔ آپریشن کے علاوہ شعاعوں سے بھی کینسر کا علاج کیا جاتا ہے، جس سے قوتِ مدافعت کو بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

آپ خود ہی فیصلہ کریں

ایک مریض جس کو منہ کے کینسر کی تشخیص ہو چکی تھی، علاج کے لیے مطب میں حاضر ہوا، لیکن وہ دانتوں کے نیچے نسوار دبائے ہوئے تھا۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں اس قسم کے مریض کو سمجھانے کے لیے معالج کیا طریقہ اختیار کرے۔

"سنبلو" کی جڑ

ایک سائل خیرات مانگنے کے لیے مسلسل صدا لگا رہا تھا کہ اس کا ایک بنگلے سے گزر ہوا۔ صاحبِ خانہ نے اس کی تکرار پر جھنجھلا کر دروازہ کھولا اور سائل سے کہا کہ تمھیں خیرات کی پڑی ہے اور ہماری جان پر بنی ہے۔ یہ صاحب خانہ بذات خود کوالیفائیڈ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے۔ سائل نے پوچھا آپ کو کیا پریشانی ہے، مجھے بتائیں شاید میں آپ کے کام آسکوں۔ موصوف نے کہا میری اہلیہ کو چھاتی کا سرطان ہے اور ہم کل علاج کے لیے امریکا جا رہے ہیں۔ سائل نے کہا آپ چند دنوں کے لیے سفر ملتوی کر دیں، میں ایک بوٹی آپ کو لا کر دیتا ہوں، آپ چند دنوں اسے استعمال کروائیں اگر کوئی افاقہ نہ ہو تو علاج کروانے کے لیے بیرون ملک چلے جانا، چناں چہ اس سائل نے "سنبلو" کی جڑ لا کر دی اور مشورہ دیا کہ اس کو پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ استعمال کروائیں ان شاء اللہ شفا ہو گی۔ غرض اس بوٹی کے استعمال سے مریضہ صحت یاب ہو گئی اور ڈاکٹر صاحب کو اپنی اہلیہ کا علاج کروانے کے لیے امریکا نہیں جانا پڑا۔

گلو کی جڑی بوٹی

"سنبلو" کے علاوہ "گلو" اور منقیٰ کے بیج میں یہ خاصیت ہے کہ جسمانی خلیوں کی ہیئت تبدیل نہیں ہونے دیتے اور غیر فطری اور عدمِ توازن کے نتیجے میں خلیے میں جو ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے، اس سے محفوظ رکھ کر کینسر سے بچاتے ہیں۔

ریسرچ انسٹیٹیوٹ

سائنسدان مختلف حوالوں سے ہلدی کے پودے پر تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہلدی کا اہم جزو (Curcumin) بریسٹ ٹیومر کو بڑھنے سے روکتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ اس میں اینٹی کینسر خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ بریسٹ کینسر کے خلیوں کو غذا فراہم کرنے والے ہارمون کو روکنے کی بھرپور صلاحیت ہلدی میں ہوتی ہے۔ برطانیہ کے کینسر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی رپورٹ کے مطابق ہلدی کا استعمال Bowel کینسر کے مریضوں کے لیے بھی بہت فائدہ مند ہے۔

سُچی بوٹی کی شفا بخش تاثیر

سُچی بوٹی پاکستان کے ہر حصے میں پائی جاتی ہے۔ سُچی بوٹی کے معنی سونا کے ہیں یعنی سونا بوٹی۔ طب یونانی میں اس کو دھماسہ کہتے ہیں۔ پنجاب میں اسے سُچی بوٹی سرحد میں انغازے اور سندھ میں "ادھ رامو" کہتے ہیں۔ یہ ایک عام خودرو قسم کی جھاڑی ہے، جس کی شاخیں لمبی اور پتے چھوٹے ہوتے ہیں اور اس کا چھوٹا سا پھول کانٹے کے اوپر لگتا ہے، یہی اس کی خاص پہچان ہے۔

سُچی بوٹی کے استعمال کا طریقہ: طریقہ بالکل سادہ ہے۔ مٹھی بھر بوٹی رات کو پانی میں بھگو دیتے ہیں اور صبح چھان کر اس کا آدھا گلاس مریض کو نہار منہ پلاتے ہیں۔ یہ بوٹی بے حد کڑوی ہوتی ہے۔ اس کا تازہ ہونا ضروری نہیں خشک بوٹی میں بھی شفا بخش تاثیر ہوتی ہے۔

سائمن ٹونس کی ریسرچ

سگریٹ نوشی، پان اور گٹکا کثرت سے کھانے والے یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ پان اور سگریٹ نہیں استعمال کرتے ان لوگوں کو بھی کینسر ہو جاتا ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر سائمن ٹونس جو کینسر تھراپی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، انھوں نے اپنی ریسرچ کے حوالے سے کہا کہ "کینسر کا حقیقی اور اصل سبب ذہنی الجھاؤ ہے، جس کی وجہ سے انسان کی قوتِ مدافعت ختم ہو جاتی ہے اور انسان کینسر جیسی جان لیوا بیماری میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ذہنی دباؤ، دل کے امراض پتا اور گردوں کی پتھری، پٹھوں میں کھنچاؤ، ہائی بلڈ پریشر اور السر جیسی بیماریوں کا باعث ہو سکتا ہے۔"

مشورہ

اہمیت، طریقِ کار اور شرائط

عبدالمتین

کوئی بھی ایسا کام جو فرض، واجب اور ناجائز نہ ہو، ایسا کام کرنے سے پہلے جلد بازی کرنے کے بجائے دو کام کرنا سنت ہے:

1۔استخارہ: یعنی اللہ رب العزت سے اس کام کے خیر کے پہلو کی دعا کرنا کہ یا اللہ اگر فلاں رشتے، کاروبار، ملازمت وغیرہ میں اگر میرے لیے دنیا آخرت کی خیر ہے تو مجھے نصیب فرما، ورنہ مجھے بچا کر کوئی نعم البدل عطا فرما۔

2۔استشارہ: یعنی اللہ کے بندوں سے اس کام کے متعلق مشورہ کرنا۔

استخارے اور استشارے کی فضیلت سے متعلق مقولہ ہے کہ:

مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ

ترجمہ:۔ جس نے استخارہ کیا وہ کبھی دھوکے کا شکار نہیں ہوا اور جس نے مشورہ کیا وہ کبھی شرمندگی اور پچھتاوے کا شکار نہیں ہوا۔

چوں کہ انسان ہر فن مولی نہیں بن سکتا، لہٰذا کچھ امور میں متعلقہ ماہرین سے رائے لینا پڑتی ہے اور اسی کا نام مشورہ ہے۔

قرآن کریم سورۃ الشوریٰ میں اللہ رب العزت اہلِ ایمان کی ایک اہم خوبی بتلاتے ہیں کہ "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" یعنی ان کے آپس کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

ذیل میں مشورے کے آداب و شرائط ذکر کی جاتی ہیں:

1۔اہلیت: سب سے پہلے دیکھا جائے گا کہ جس شخص سے مشورہ طلب کیا جارہا ہے، وہ مشورے کے لائق ہے بھی یا نہیں۔ لہٰذا ہر مشورہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ مشورے میں مشیر کی متعلقہ معاملے سے متعلق اہلیت کو دیکھا جائے گا۔ بہت سے مشورے غلط ثابت ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مشورہ غلط شخص سے لیا جاتا ہے، لہٰذا کاروباری امور سے متعلق مشورہ وہی شخص دے سکتا ہے جو تجارت کرچکا ہو۔ کوئی ڈاکٹر انجینیئرنگ فیلڈ سے متعلق مشورہ کیسے دے سکتا ہے؟ اسی طرح دین سے متعلق مشورہ علماء سے کیا جائے گا، کسی انجینیئر پروفیسر یا ڈاکٹر سے نہیں۔

الغرض یہ دیکھا جائے گا کہ فلاں شخص میں متعلقہ معاملے کے حوالے سے جان کاری ہے یا نہیں۔

2۔امانت داری: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ" (ترمذی) یقینا جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔ لہٰذا امین کی ذمہ داری ہے کہ وہ خلوص اور سچائی کے ساتھ مشورہ دے، اپنی انا ضد لحاظ مروّت کے چکر میں غلط مشورہ نہ دے۔

مثلاً کسی جگہ رشتے یا لین دین سے متعلق مشورہ ہو تو صاف بتادے کہ یہ رشتہ یا فلاں سے لین دین درست ہے یا نہیں، بلاوجہ غلط کو صحیح اور اطمینان بخش بتا کر دوسروں کی زندگی اجیرن نہ کرے۔

3۔رازداری: مشورے کو راز میں رکھے، کسی نے مشورہ مانگا اب ظاہر ہے اس کا کوئی راز پتا چل گیا، لیکن اس بات کی بالکل بھی اجازت نہیں کہ اس راز کو فاش کیا جائے یا کسی کو بھی بتائے بلکہ یہ مشورہ لینے والے کا حق ہے کہ اس کی بات کسی کو بھی نہ بتائی جائے۔

مشورے کے چند آداب

1۔عمر کی شرط نہیں: مشورے کے لیے عمر کی شرط نہیں، عین ممکن ہے کہ مشورہ دینے والا عمر میں کم ہو، لیکن اپنی صلاحیت و تجربے میں وسیع ہو اور مشورہ لینے والا عمر میں بڑا لیکن صلاحیت میں کم ہو۔

2۔مشورے اور حکم میں فرق: مشورہ حکم کا درجہ نہیں رکھتا، لہٰذا ضروری نہیں کہ مشورہ لینے والا اسی کے مشورے پر عمل کرے بلکہ وہ اس سے ہٹ کر دوسری رائے پر بھی عمل کرسکتا ہے اور اس میں خفا اور ناراض ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں۔

آپ مندرجہ ذیل طریقوں سے کینسر کی پیش بندی کرسکتے ہیں:

1: سگریٹ نوشی فوراً ترک کردیں۔ 2: علی الصباح کسی پارک میں جاکر ورزش کریں اور لمبی سانس لے کر پھیپھڑوں میں آکسیجن بھر لیں جو آپ کو صبح کے وقت فضا سے وافر مل سکتی ہے۔ دن میں کم از کم تین مرتبہ لمبے سانس لیں، تاکہ پھیپھڑوں میں گئی ہوئی زہریلی گیسیں نکل جائیں اور ان میں آکسیجن داخل ہوجائے۔

3: غذا تازہ اور قدرتی کھائیں۔ 4: صحت مند جسم میں سرطان کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے۔ غصے، حسد، تلخی اور انتقامی جذبے کو اپنے اندر دبانے کے بجائے ان سے نجات حاصل کریں۔ بنی نوع انسان کی محبت اپنے آپ میں پیدا کریں، پھر اللہ پر چھوڑدیں۔ ان شاء اللہ! آپ اس موذی مرض سے محفوظ رہیں گے۔

مقدر کی حقیقت

ایک مریض معدے کی تیزابیت کا علاج کرانے کی غرض سے مطب میں تشریف لائے، منہ تمباکو والے پان سے رنگین تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا موصوف دن بھر میں دس عدد پان کھالیتے ہیں۔ جب انھیں پان چھوڑنے کا مشورہ دیا کہ یہ انتہائی مضر صحت ہے اور آپ جیسے تیزابیت کے مریضوں کو تو خاص طور پر احتیاط کرنی چاہیے، تاکہ مستقبل میں کینسر جیسے موذی مرض سے محفوظ رہ سکیں۔ اس پر وہ بہت برہم ہوگئے اور وہ کسی قیمت پر پان چھوڑنے کے لیے راضی نہیں تھے۔ آخر میں یہ جملہ کہہ کر رخصت ہوگئے کہ اگر میرے مقدر میں کینسر ہوگا تو ہوجائے گا۔

حضورِ اقدس ﷺ سے بڑھ کر کون مقدر کی حقیقت کو جان سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِعْقِلْ ثُمَّ تَوَكَّلْ "پہلے اونٹنی کو کھونٹے سے باندھ لو، پھر اللہ پر بھروسا کرو۔"

اعضا کی سلامتی، بیش بہا نعمت

اعضا کی سلامتی اور صحت بہت بڑی نعمت ہے اور اس بیش بہا نعمت کا شکر اسی طرح ادا ہوسکتا ہے کہ ہم ہر لحاظ سے اس کی حفاظت کریں اور ضرر رساں اشیا سے پرہیز کریں۔ اس کے بعد اگر کوئی تکلیف یا بیماری آتی ہے تو اللہ پر صابر اور شاکر رہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا"

ترجمہ: اگر تم شکر گزار بنو اور (صحیح معنی میں) ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدردان (اور) سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے۔

ZJ

Zaiby Jewellry

Saddaer

Adding Grace To your Beauty

021-35215455, 35677786 zaiby_jewellery Zaiby_jewellery

zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

سنورا باطن

حفصہ محمد فیصل

"آخر ابو کو اس لڑکے میں نظر کیا آیا؟"

"تعلیم میٹرک اور کاروبار۔۔۔ کریانے کی دکان۔" نادیہ ماں پر اپنے غصے کا اظہار کر رہی تھی۔

"پہلی بات، ہم نے تمھیں تعلیم اس لیے نہیں حاصل دلائی کہ تم دوسروں میں کیڑے نکالتی پھرو۔۔۔اور کریانے کی دکان کو تم نئی جہت میں جنرل اسٹور بھی کہہ سکتی ہو اور رہی بات یہ کہ ہمیں اس میں نظر کیا آیا تو سن لو، وہ ایک شریف النفس اور حیادار لڑکا ہے، ایک عزت دار اور دین دار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، کسی قسم کی بری عادت نہیں ہے اور کیا چاہیے کسی لڑکی کو؟ باقی رہی بات تعلیم کی تو تم نے ماسٹر کرکے کیا سیکھ لیا؟ یہی نازبان چلانا، ضد اور ہٹ دھرمی کرنا!"

"بس سن لو! یہی تمہارا مقدر ہے، ہنسی خوشی قبول کرلو گی تو بہت خوش رہو گی ورنہ ساری عمر جلتی کڑھتی رہو گی۔" امی نے نپے تلے انداز سے اپنا جواب سنایا اور کمرے سے نکل گئیں۔

نادیہ ہکا بکا امی کو جاتا دیکھتی رہ گئی۔ "جویریہ آپی کے وقت تو یہ سب نہیں کہا تھا۔" نادیہ کلس کر سوچتی رہ گئی۔

◆◆◆

نادیہ ایک اوسط درجے کے گھرانے کی لڑکی تھی۔ دو بہنیں اور ایک بھائی پر مشتمل ان کا گھرانا اچھے سلجھے ہوئے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ جویریہ نے بی اے کیا تو ایک پڑھے لکھے لڑکے کا، اچھے گھر سے رشتہ آیا اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کا عندیہ مل گیا، مگر اس جھٹ پٹ میں ناصر صاحب کو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے کچھ قرض بھی لینا پڑا۔ قرض اتارنے کے لیے وقت درکار تھا اور اسی وقت میں نادیہ نے ماسٹرز کرلیا، قرض سے خلاصی کے بعد اب ناصر صاحب نادیہ کے لیے فکر مند تھے کہ اسی اثنا میں نوید کا رشتہ آگیا، نوید ایک میٹرک پاس لڑکا تھا، لیکن انتہائی شریف النفس اور اچھے خاندان سے تھا۔ والد کی وفات کی وجہ سے اس کی تعلیم کا سلسلہ رک گیا تھا، گھر میں بڑا ہونے کی وجہ سے اسے والد کے چلتے ہوئے کام یعنی کریانہ اسٹور پر توجہ دینا پڑی۔ اسٹور پر محنت کی وجہ سے اب وہ خوب چل رہا تھا۔ ناصر صاحب جہاں دیدہ شخص تھے۔ بیٹی کے لیے یہ رشتہ انھیں بالکل مناسب لگا اور انھوں نے حامی بھرلی، مگر نادیہ پر تو اپنے ماسٹرز کا زعم سوار تھا۔

باپ کے سامنے نادیہ کی دال نہ گلی اور آخر وہ نوید کی دلہن بن کر میکے سے سسرال آگئی، مگر دل کے کسی کونے میں یہ دکھ پھانس کی طرح چبھتا رہا کہ "تعلیم بھی کم اور کام بھی کریانے اسٹور کا۔۔۔ مجھے تو ابا نے پھینک ہی دیا۔"

◆◆◆

شادی کے شروع دنوں سے ہی نادیہ، نوید سے کھنچی کھنچی سی رہنے لگی، اس تناؤ کو نوید نے شرم و حیا کا نام دیا، لیکن نادیہ کے دل میں کیا بدگمانیاں پل رہی تھیں یہ اسے خبر ہی نہ تھی۔

"سنیے! میری عزیز سہیلی رافعہ کی شادی ہے، میں چند دن امی کے ہاں رہنے جانا چاہتی ہوں، تاکہ شادی میں پرسکون ہو کر شرکت کرسکوں۔" نادیہ نے ایک سانس میں ساری بات کہہ ڈالی۔

"پُرسکون ہو کر۔۔۔" نوید نے حیرانی سے نادیہ کو دیکھا۔

"وہ میرا مطلب ہے کہ رافعہ کا گھر امی کے گھر سے قریب ہے تو مجھے آنے جانے میں آسانی ہو گی۔" نادیہ بات بنائی۔

"دیکھو! نادیہ ابھی شادی کو ایک ماہ ہوا ہے اور مجھے پابندیاں لگانا بھی اچھا نہیں لگتا، لیکن امی کی طبیعت چند دنوں سے کافی ناساز ہے، اس لیے تمہارا ایک ہفتے کے لیے جانا مناسب نہیں لگ رہا۔" نوید نے محبت اور نرمی سے سمجھایا۔

"مطلب! میں اپنی سہیلی کی شادی میں نہ جاؤں؟" نادیہ بگڑتے ہوئے ترشی سے بولی۔

"ارے نہیں، نہیں، ایسی بات نہیں، تم یہاں سے بھی جا سکتی ہو شادی میں، بلکہ میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" نوید نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

◆◆◆

"امی! میں نادیہ کو شادی میں چھوڑ کر تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔ آپ دروازہ بند کرلیجیے۔"

"ارے! تمہاری دعوت نہیں ہے۔۔؟" نوید کی امی نے تعجب سے کہا۔

"نہیں امی!"

"بھئی، ہے تمہاری دعوت!! مجھے خود فون پر ندرت بیگم (نادیہ کی امی) نے بتایا ہے۔"

"اچھاااا" نوید حیرت سے بولا اور سجی سنوری نادیہ کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں! وہ آپ وہاں بور ہو جاتے، اس لیے میں نے آپ سے نہیں کہا۔" نادیہ نے بات بنائی۔

"کیوں بور ہو جائے گا؟ تمہارے ابا اور بھائی بھی تو ہوں گے وہاں اور اتنی گہری سہیلی کے خاندان والوں سے میاں کو نہیں ملواؤ گی۔" نوید کی والدہ بھی چوٹ کرنے سے نہ رہ سکیں۔

"جاؤ بیٹا! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔۔۔"

"بہت دیر ہو گئی ہے ویسے بھی۔۔۔" نادیہ نے بے زاری سے کہا۔

"اب اتنی بھی دیر نہیں ہو رہی، صرف کپڑے ہی بدلنے ہیں نوید کو، کون سی سرخی پاؤڈر میں گھنٹا لگانا ہے۔" جہاں آرا بیگم ختمی لہجے میں بولیں۔

نادیہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالے تذبذب کا شکار تھی۔ وہ نوید کو ساتھ

بقیہ صفحہ 22 پر

بلاعنوان

محمد احمد رضا انصاری

**اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 جنوری ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں**

”کہاں جانے کی تیاری ہے؟“ ابو نے اسے غور سے دیکھا۔

”وہ ایک دوست کے پاس جانا تھا، کچھ چیزیں اس کے پاس ہیں میری، وہی واپس لینے جا رہا ہوں۔“

”آج جانا لازمی ہے؟“ ابو نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

”ہاں۔۔۔ میرا لیپ ٹاپ ہے اس کے پاس، کام کا حرج ہو رہا ہے کئی دن سے، اسی لیے جانا ضروری ہے۔“

”واپس کب آؤ گے۔“ ابو ہلکے سے کھانسے۔

”جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔“ زوان نے بغیر زچ ہوئے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے زیادہ دیر مت لگا دینا۔ آکسیجن ٹینک مفت نہیں ملتے، آکسیجن ضایع کرنے سے گریز کیا کرو، ورنہ گھر سے باہر نکلنے کے قابل بھی نہیں رہو گے اور۔۔۔“ ابو کی آواز شدید کھانسی میں دب کر رہ گئی۔

امی ان کی آواز سن کر کمرے سے نکلیں فوراً ابو کے منہ میں ایک سفید گولی رکھ دی۔ کھانسی تھم گئی اور ان کے چہرے پر سکون پھیل گیا تھا۔

وہ مطمئن ہو کر سلنڈر پشت سے لگائے، ماسک پہن کر گھر سے نکل آیا۔ باہر کا ماحول تاریک تھا۔ اسٹریٹ لیمپ بجھے ہوئے تھے۔ دن رات مسلسل جلنے کی وجہ سے وہ جلد خراب ہو جاتے تھے۔

وہ تیز قدموں سے میٹرو اسٹیشن کی جانب چلنے لگا۔ اسٹیشن کے اندر پہنچتے ہی اس نے ماسک نوچ کر اتارا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

اسٹیشن کے اندر بھی گھروں کی طرح آکسیجن سب کے لیے مفت تھی۔

ایک منٹ بعد ٹرین اسٹیشن میں داخل ہوئی اور وہ اس میں سوار ہو گیا۔ ہر مسافر کی کمر پر آکسیجن سلنڈر کسی بچے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور گلے میں ماسک جھول رہے تھے۔ ان کے چہرے زرد تھے اور آنکھیں ویران سی۔ ماسک پہننے کی وجہ سے ناک، کانوں کے پیچھے اور رخساروں پر گہرے نشانات بنے تھے۔

بائیسویں صدی کا اختتام ہونے والا تھا اور انھیں محسوس ہوتا تھا، جیسے صدی کے ختم ہوتے ہی وہ سب بھی اپنی زندگیاں ہار دیں گے۔ کیوں کہ آکسیجن کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے بھلا!

وہ کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ شیشے کے پار مناظر ایک کے بعد ایک گزرتے جا رہے تھے۔ وہی پرانا ماحول تھا، آسمان کو چھوتی عمارتیں، اونچے برج، بے حد کشادہ سڑکیں، ماسک لگائے سلنڈر اٹھائے پھرتے انسان، دور فیکٹریوں کی اونچی چمنیوں سے نکلتا دھواں جو آسمان پر جم کر سورج کی روشنی کو زمین تک پہنچنے نہیں دیتا تھا۔

اس نے نظریں واپس موڑیں اور بے زاری سے آنکھیں موند لیں۔ سفر ابھی آدھ گھنٹے تک جاری رہنا تھا۔

پچھلے انسانوں کی غلطیوں کا خمیازہ اب والی نسل کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔ زمین سے درختوں کو کاٹ کاٹ کر آکسیجن کو خود اپنے ہاتھوں ختم کیا گیا تھا۔ خطرناک دھواں اگلنے والی کسی چیز پر پابندی عائد نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے فضا شدید متاثر ہوئی تھی۔

اب نوبت یہاں تک آ چکی تھی کہ گھروں سے باہر جانے سے قبل پشت پر آکسیجن ٹینک اور منہ پر ماسک کا ہونا ضروری ہو چکا تھا، ورنہ انسان چند لمحوں میں ہی تڑپ کر مر جاتا۔

حکومت نے گاڑیوں، ٹرینوں، گھروں اور دوسری سب عمارتوں میں آکسیجن کی فراہمی مفت کی ہوئی تھی۔ ایک گاڑی سے دوسری گاڑی، ایک گھر سے دوسرے گھر جانے کے لیے آکسیجن ماسک البتہ لازم تھا۔ کھلی فضا میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار بہت بڑھ گئی تھی۔ انسانوں نے اپنی حالت سدھارنے پر ابھی تک کوئی غور و فکر نہیں کیا تھا۔ حالات ہنوز وہی تھے۔ وہ اس ماحول میں رہنے کے عادی ہوتے جا رہے تھے، یہ جانے بغیر کے آنے والی نسل کیسے زندگی گزارے گی؟ اس سوالیہ نشان کو دیکھتے سب تھے لیکن قابل توجہ کوئی سمجھتا نہ تھا۔

شہروں کی نسبت دور دراز کے چھوٹے دیہاتوں میں تھوڑی بہت آکسیجن فضا میں موجود تھی اور وہ بغیر آکسیجن ماسک لگائے آرام سے کھلی فضا میں گھوم پھر سکتے تھے۔ شہر سے ہزاروں لوگ سیکڑوں میل دور دیہاتوں میں ہجرت کر چکے تھے، لیکن یہ ہجرت بھی ادھوری سی تھی۔

طویل سفر میں اکثر آکسیجن کا ذخیرہ ختم ہو جاتا اور لوگ راستے میں ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے۔

زوان جیسے لڑکے اپنی امید کھو چکے تھے۔ وہ حالات سے دل برداشتہ تو تھے، لیکن انھیں بدلنے کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کرتے تھے۔

”اللّٰہ کے نام پر چند روپے کا سوال ہے بچے، چند سانسیں بڑھانے میں مدد کرو بابا کی۔“ زوان ایک درد بھری صدا سن کر اپنے خیالات سے باہر نکلا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے ایک مفلوک الحال شخص کھڑا اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

آج کل ایسے لوگ بھیک مانگ کر اپنے آکسیجن سلنڈر فل کرواتے تھے اور روز زندگی کی ڈور باندھتے تھے۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جتنے سکّے ہاتھ میں آئے، سب اس بابا کے کشکول میں ڈال دیے۔ وہ دعائیں دیتا آگے بڑھ گیا۔

ٹرین اس کے مطلوبہ اسٹیشن پر رکی تو وہ باہر آ گیا۔ اسٹیشن سے ندیم احمد کا گھر دو منٹ کی پیدل مسافت پر تھا۔ اس نے ماسک لگایا اور اسٹیشن سے نکل آیا۔

◆◆◆

اس جنگل میں درخت ایک دوسرے سے جڑے کھڑے تھے۔ ان کی شاخیں اونچی اور پھیلی ہوئیں تھیں۔ کسی پیڑ پر پھل لگے تھے اور کسی پر بور آ رہا تھا۔ زمین پر جھاڑیاں پھیلی تھیں، جن پر پھول کھلے تھے۔ پرندوں کی چہکاروں سے فضا گونج رہی تھی۔ مختلف جانور اپنی اپنی بولیوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ آسمان پر کالے سیاہ بادل برسنے کو تیار کھڑے بس حکم ربی کے منتظر تھے۔

اور پھر حکم ملتے ہی بادلوں نے اپنے بادبان کھول دیے، بوندیں ایک تسلسل سے زمین پر آنے لگیں، جنگل کی خوب صورتی کو بارش نے مزید چار چاند لگا دیے تھے۔ وہاں گونجتی آوازوں کی لَے بدل گئی تھی، اب ان میں مسرت کا اظہار کیا جا رہا تھا۔

چھوٹے جانور چوکڑیاں بھرتے ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ جنگل میں بنے تالابوں سے پیلے پیلے مینڈک نکل آئے اور برسات کے گیت گانے لگے۔ دور کسی درخت پر بیٹھی کوئل بھی وجد میں آ کر جھوم جھوم کر گنگنانے لگ گئی تھی۔

تاریک کمرے میں لیپ ٹاپ کی سکرین پر نمودار ہوتے مناظر دیکھ کر زوان ہمیشہ کی طرح اداس ہو گیا تھا۔

”کیسی خوب صورت دنیا تھی۔ بالکل جنت جیسی، لیکن ابنِ آدم نے اس زمینی جنت کو اجاڑ کر چھوڑا، ترقی کے نام نہاد فلسفوں پر عمل کر کے، کاش میں دو صدیوں قبل اس سرسبز دنیا میں پیدا ہوا ہوتا۔ کاش!“ کئی آنسو آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔۔۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور بٹن کی آواز سے روشنی اندھیرے کمرے کو منور کر گئی۔

"زوان بیٹا۔۔۔ تمہارے ابو کی دوا ختم ہونے والی ہے۔ آج کالج سے واپسی پر یاد سے لیتے آنا، ورنہ تمہیں پتا ہے اگر انھیں روز دوا نہ ملے تو حالت کتنی غیر ہو جاتی ہے۔" امی جان اتنا بول کر واپس چلی گئیں۔ دروازہ بند ہوتے ہی آٹو میٹک لائٹ بھی بند ہو گئی تھی۔

زوان نے پژمردگی سے لیپ ٹاپ اٹھا کر دور کیا اور بیڈ سے اتر آیا۔ اس کے ملول سے چہرے پر عجیب سی تکان دکھائی دے رہی تھی۔ ہر مایوس انسان کا چہرہ یقیناً ایسا ہی ہوتا ہے۔

◆◆◆

زوان وہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ تحیر سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے۔ بھلا اب ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو آج کل کے دور میں نرا دیوانے کا خواب ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

استعجاب سے وہ وہیں کھڑا اُس سمت دیکھتا رہا، پھر دھیرے دھیرے اس بچے کی جانب چل دیا۔

وہ کالج سے واپسی پر دوا لے کر آ رہا تھا۔ میٹرو واسٹاپ سے وہ شارٹ کٹ کا راستہ پکڑ کر اپنے گھر جا رہا تھا، جب ایک کھلے میدان میں اسے دس گیارہ سال کا بچہ نظر آیا، وہ ٹھٹک گیا اور تعجب سے اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ چند لمحے وہیں ٹھہر کر وہ بچے کی سرگرمی ملاحظہ کرتا رہا، پھر اس کی طرف بڑھا۔

زوان کو اچھے طرح یاد تھا، اس میدان میں کئی سالوں سے گنتی کے پانچ چھ سوکھے سڑے درخت لگے ہوئے تھے، ان پر پتے وغیرہ نہ ہونے کے برابر ہی تھے، ٹنڈ منڈ سے وہ چند درخت اس عمارتوں کے جنگل میں عجب نظارہ پیش کرتے تھے، پھر چھ ماہ پہلے وہ کاٹ دیے گئے۔ اب اسی جگہ وہ چھوٹا سا بچہ آکسیجن ماسک لگائے ہاتھوں میں ایک سرسبز پودا زمین میں لگا رہا تھا۔

"اپنا وقت اور سلنڈر کا آکسیجن کیوں ضایع کر رہے ہو بچے، یہ پودا بھلا یہاں کیسے اُگ سکتا ہے؟ زمین تقریباً بنجر ہو چکی ہے۔ پانی خراب اور فضا آلودگی سے بھرپور، اس ماحول میں یہ کیسے پروان چڑھے گا؟" اس کی بات سن کر بچے نے چونک کر سر اٹھایا۔ ایک اجنبی کو دیکھ کر پہلے وہ شرمایا پھر بولا: "مجھے امید ہے یہ ننھا پودا ایک دن توانا درخت بنے گا اور اس کی چھاؤں تلے مجھے منہ پر آکسیجن ماسک لگانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہ درخت میری آکسیجن کی ضرورت پوری کرے گا۔ ان شاء اللہ!"

چھوٹے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر زوان اپنی جگہ سن سا ہو کر رہ گیا۔

بچہ حالات سے بے آس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرنے کی بجائے امید کی روشنی لے کر آگے بڑھا تھا۔ اسے پوری توقع تھی اس کا لگایا پودا ایک دن بڑا ہو گا اور اسے آکسیجن دے گا جو انسان کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ وہ حالات کو بدلنے کے لیے عمل شروع کر چکا تھا۔ اس کا جسم چھوٹا، لیکن سوچ بہت بڑی تھی۔

زوان اندر ہی اندر سخت شرمندگی کا شکار ہو گیا تھا۔ بچے نے اسے بہت بڑا سبق دیا تھا جو بھولنے والا نہیں تھا۔ زوان نے بھی سیکڑوں پودے لگا کر ماحول کو پھر سے بدلنے کا عزم کیا اور اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کے لیے میڈیا کی طاقت اس کی انگلیوں سے بہت قریب تھی۔ وہ موبائل جیب سے نکال کر بچے کی وڈیو بنانے لگا جو پودا لگا کر اب ہاتھ میں پکڑی بوتل سے اس کی جڑوں کو تر کر رہا تھا۔ بچے کا چہرہ انبساط سے چمک رہا تھا۔ زوان کو یقین تھا، ایک دن دنیا پہلے جیسی سرسبز ہو جائے گی۔ یہاں کے بچے اس جنت کو دوبارہ سنوارنے کے لیے میدان میں آ چکے تھے۔

نہیں لے جانا چاہتی تھی۔ شادی کو ایک ماہ ہو چکا تھا، نوید کی اچھی عادتوں کو پرکھنے کے باوجود اس کی کم تعلیم کی پھانس اب تک دل میں چبھ رہی تھی۔

"چلیں۔۔۔!" نادیہ نوید کی آواز سن کر اپنے خیالوں سے چونکی۔

"جی۔۔۔" اس نے بجھے دل سے کہا۔

جہاں آرا بیگم نے بیٹے اور بہو کی بلائیں لیتے رخصت کیا۔

◆◆◆

"ارے! نادیہ کیسی ہو؟"

"شادی کے بعد تو ہم کو بھول ہی گئیں؟"

"اپنے میاں صاحب سے تو ملواؤ۔۔"

"سنا ہے کریانہ اسٹور ہے ان کا۔۔۔"

یہ شمع، ریحانہ اور افشین تھیں، نادیہ کی محلے دار سہیلیاں، کرید کرید کر نادیہ کو امتحان میں ڈال رہی تھیں۔ نادیہ کا ویسے ہی موڈ آف تھا۔

"بھئی! تم تو اکثر پڑھے لکھے اور اونچی پوسٹ والے بندے کی خواہش رکھتی تھی نا! پھر یہ نوید بھائی کیسے پسند آ گئے؟" شمع نے ایک اور طنز کا نشتر چلایا۔

نادیہ دونوں کو طیش سے دیکھتے ہوئے کوئی جواب سوچ ہی رہی تھی کہ اتنے میں جویریہ آپی وہاں آ گئیں، جنھوں نے سب سن لیا تھا۔

"بھئی شمع! پہلی بات ہمارے دولہا بھائی بے انتہا نفیس اور شریف انسان ہیں، دوسرا ان کے کریانہ اسٹور کو اگر ہم ڈپارٹمینٹل اسٹور کہیں تو آج کی جہت میں یہ قابلِ فخر پیشہ ہے، جیسے بڑے بڑے نام والے اسٹور دراصل کریانہ اسٹور ہی ہوتے ہیں نا!! لیکن ہم انھیں ڈیپارٹمنٹل اسٹور کہتے ہیں۔" جویریہ آپی مسکرائیں۔

"اور افشین! جو تعلیم انسان کے باطن کو سنوار دے، وہی دراصل بہترین ہوتی ہے، ورنہ بڑی بڑی ڈگریوں والے جاہل بھی دیکھے گئے ہیں۔ نوید بھائی کی تعلیم کم ضرور ہے، مگر باطن خوب سنورا ہوا ہے۔"

"کیوں نادیہ؟" جویریہ آپی نے تائیدی نگاہوں سے نادیہ کو دیکھا۔

"ج ج جی!" نادیہ نے الجھے ہوئے لہجے میں مختصر جواب پر ہی اکتفا کیا

نادیہ بھی جویریہ کی دلیلوں کی قائل ہوتی جا رہی تھی کہ اتنے میں جویریہ کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

"جی شہیر!"

"تمہیں منع کیا تھا کہ شادی میں مت جانا، مگر تمہیں سیر سپاٹوں سے فرصت ہی کہاں ہے؟"

شہیر بھائی کی چنگھاڑتی آواز موبائل کے اسپیکر کو پھاڑتی ہوئی باہر آ رہی تھی، جو نادیہ کو صاف سنائی دی۔

اور اسے مہذب لہجے میں ابا سے بات چیت کرتے پڑھے لکھے شہیر بھائی یاد آ گئے، جو اس کی آپی سے اتنے نازیبا انداز میں بات کر رہے تھے۔ آپی کی نوید کے حق میں دی ہوئی دلیل کہ "جو تعلیم باطن کو سنوار دے، دراصل وہی بہترین ہے۔" نادیہ کو خوب سمجھ آ گئی تھی۔

جویریہ آپی نے موبائل بند کیا، دونوں بہنوں کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں، آپی کی آنکھوں کی نمی نے نادیہ کے دل پر چوٹ کی اور اس کے دل سے نوید کی کم تعلیم کی پھانس نکل گئی اور اب اس کی جگہ قدر دانی نے لے لی تھی اور اب اسے اپنی پچھلی ناقدری کا ازالہ بھی کرنا تھا۔

نصیبوں جلی یا۔۔۔!

اُمِّ نُسیبہ

زندگی اتنی پیچیدہ اور تنگ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"تنگ آ گئی ہوں میں۔۔۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔" سحر بڑبڑائی۔

"ہر وقت دو جمع دو چار کے حساب کتاب میں ہی غرق رہو۔ سر ڈھانپو تو پاؤں ننگے ہوتے ہیں اور پاؤں چھپاؤ تو سر ننگا۔" سحر سر پکڑے بیٹھی ہوئی تھی۔

"اللہ خیر۔۔۔ آج پھر مہتاب سے مل آئی ہو؟"

نبیل نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سحر کی بڑبڑاہٹ سنی تو پوچھ بیٹھا اور یہی اس سے فحش غلطی ہوئی۔

"اُڑائیں۔۔۔ اُڑائیں۔۔۔ دل بھر کر اُڑائیں مجھ نصیبو جلی کا مذاق۔" سحر ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔

"ارے میں کیوں مذاق اڑانے لگا بھئی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ خود کو بد نصیب کہنا چھوڑ دو۔ غضب خدا کا، سوچے سمجھے بغیر بولنا شروع کر دیتی ہو۔

اچھا خیر۔۔۔ یہ سب چھوڑو، کھانا لگا دو، بہت زور کی بھوک لگی ہے۔"

نبیل نے بات بدل دی اور ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں بھئی ہاں، میں تو ہمیشہ سوچے سمجھے بغیر بولتی ہوں نا۔ میرا تو ہے ہی دماغ خراب۔"

نہ جانے کیا بات سحر کو پریشان کر رہی تھی، جس کا سارا نزلہ نبیل پر گر رہا تھا۔ سیاق و سباق سے تو نبیل واقف تھا، مگر فی الحال اس نے کچھ بھی پوچھنے سے احتراز برتا۔

◆◆◆

نبیل اور سحر کی شادی کو پانچ سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اللہ نے ایک پیاری سی بیٹی سے نوازا ہوا تھا۔ نبیل کا اوسط درجے کا ایک جنرل اسٹور تھا، جس سے مناسب گزر بسر ہو جاتی تھی، پھر یہ کرونا کی وبا پھیلی اور بیماری تو بیماری کرونا کی تباہ کاریوں نے کئی گھرانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آئے دن لاک ڈاؤن اور بڑھتی ہوئی مہنگائی نے نبیل اور سحر کے گھرانے کو بھی متاثر کیا۔ والدین اور ایک بہن کی ذمے داری بھی نبیل کے کندھوں پر تھی، لیکن اس سب کا نبیل سے زیادہ سحر نے اپنے دماغ پر اثر لے لیا۔ اکثر و بیشتر سحر سر تھامے حساب کتاب میں مشغول نظر آتی۔ بات اتنی ہوتی تو ٹھیک تھی، مگر پریشانی کی بات تو یہ تھی کہ سحر اپنی جڑواں بہن مہتاب کی زندگی سے اپنی زندگی کا موازنہ کرنے لگی۔ سحر اور مہتاب کی شادیاں چند ماہ کے وقفے سے ہوئی تھیں۔ مہتاب کا شوہر دبئی میں ملازمت کرتا تھا۔ پیسوں کی ریل پیل تھی، سحر نہ چاہتے ہوئے بھی تقابل کرنے لگی تھی۔ آج بھی ان دونوں کی ملاقات میکے میں ہوئی۔ مہتاب کے پہننے اوڑھنے سے کشادگی و فراوانی ٹپکتی دیکھ کر سحر کے دل کو کچھ ہوا۔

"شکلیں ایک جیسی ہیں تو نصیب جدا جدا کیوں۔۔۔"

مہتاب کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر سحر کے دل میں شکوے سر اُبھارنے لگے۔

◆◆◆

سحر نے اداسی سے اپنی چار سالہ بیٹی رمیصا کی جانب دیکھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔ ننھی پری سکون سے سو رہی تھی۔

"اللہ پاک اس کے نصیب بہت اچھے کرنا۔" دل کی گہرائیوں سے اس نے کہا۔

"پچھلے سال سے رمیصا کے لیے کوئی کھلونا نہیں خرید سکے ہم۔" سحر بولی۔

"اللہ پاک خیر کریں گے ان شاء اللہ! کیوں پریشان ہوتی ہو اتنا۔" نبیل نے سحر کو تسلی دی۔

"کیسے پریشان نہ ہوں۔ رمیصا کی عمر کے بچوں کا اسکول میں داخلہ ہو رہا ہے اور ایک آپ ہیں کہ کوئی فکر ہی نہیں۔" سحر گویا بھری بیٹھی تھی۔

"اسکولوں میں پڑھائی اب تک معمول پر نہیں آئی۔ آن لائن پڑھائی نے اساتذہ اور والدین دونوں کو ہی پریشانی میں ڈال رکھا ہے۔ ابھی بہتر یہی ہے کہ تم اسے گھر پر پڑھاؤ۔ میں باپ ہوں۔ کیا مجھے خیال نہیں ہوگا اپنی بیٹی کا۔" نبیل کو سحر کی سوچ پر افسوس ہوا۔

"آہ۔۔۔ قسمت کے کھیل!! ہمارے حالات کب اچھے ہوں گے؟"

سحر کو جیسے ناامیدی نے جکڑ لیا تھا۔

"ایسے برے بھی نہیں ہمارے حالات۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ تم ہر وقت اپنے نصیب کو کوستی ہو۔" نبیل نے ناراضی سے کہا۔

"میں تھک گئی ہوں۔ انسان ہوں میں بھی۔ میرا بھی دل چاہتا ہے اچھا پہنوں، اچھا کھاؤں، ہم کبھی کبھی بچی کو گھمانے جایا کریں، مگر ہمارے تو گھر کے اخراجات ہی پورے ہو جائیں تو بڑی بات ہے۔ آپ بھی مہتاب کے شوہر کی طرح دبئی کیوں نہیں چلے جاتے۔" سحر آج بھری بیٹھی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے دوسروں سے اپنا موازنہ کرنا چھوڑ دو۔ کبھی سوچا ہے تم نے کہ مہتاب کے پاس دبئی کا پیسا تو آتا ہے، مگر عید اور خوشیوں کے کئی مواقع دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے الگ گزارنے پڑتے ہیں۔ کبھی پوچھا اس سے کہ مہنگے کپڑے جوتے پہن کر وہ خوشی میسر نہیں آ سکتی جو ہم سفر کے سنگ خوشی غمی کا سفر اکٹھے طے کرنے میں ملتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ خوشی صرف بڑی بڑی جگہوں سے کھانا کھانے یا خریداری میں ہی ملے، یقین کرو تمہارا اور میرا اپنی بیٹی کے ساتھ چہل قدمی کے لیے سامنے والے پارک میں جانا بھی دنیا کی بہت بڑی نعمت ہے، جس خوشی کے لیے لاکھوں لوگ ترستے ہیں، وہ ہمیں میسر ہے سحر۔" نبیل روہانسا ہو گیا تو سحر کو شرمندگی محسوس ہوئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" سحر نے کہا اور گھر کے کاموں میں لگ گئی۔

◆◆◆

"تم کتنی خوش قسمت ہو سحر۔" مہتاب نے سحر کو اکیلے پا کر کہا۔

آج دونوں بہنوں کی ایک ماہ بعد میکے میں ملاقات ہو رہی تھی۔

"مم، میں اور خوش قسمت!! تابی مذاق مت اڑا مجھ نصیبوں جلی کا۔" سحر خفگی سے بولی۔

"ہاں سحر! بہت خوش قسمت ہو تم۔" مہتاب جیسے کہیں خلا میں کھوئی ہوئی تھی۔

"میری بہن ہو کر میری غربت کا مذاق اڑاتی ہو۔" سحر نے برا سا منہ بنایا۔

"پاگل لڑکی! تم تو بہت امیر ہو۔" مہتاب نے سحر کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے کہا۔

"میں تھک گئی ہوں سحر۔" مہتاب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

"مگر ہوا کیا؟" سحر کو بھی پریشانی ہوئی۔ آج تک اس نے ہنستی کھلکھلاتی مہتاب کو ہی دیکھا تھا۔

"میں کیا کروں اس اچھے پہننے اوڑھنے کا؟ کس کے لیے سجوں سنوروں؟ تین سال ہونے کو آئے ہیں کہ امجد پاکستان نہیں آئے۔ پہلے سال بقول ان کے پاسپورٹ کمپنی کے مالک کے پاس تھا، پھر حالات ایسے ہوئے کہ فلائٹیں بند ہو گئیں اور۔۔۔ اور اب لگتا ہے لوٹنے کی چاہ ہی ختم ہو گئی ہے انھیں۔ کئی کئی دن رابطہ نہیں کرتے۔ بہت بدل گئے ہیں۔ مجھے نہیں چاہیے ایسا پیسا جو ہمارے درمیان نہ ختم ہونے والے فاصلے پیدا کر دے۔"

اتنا کہہ کر مہتاب ہچکیوں سے رونے لگی۔ سحر نے اسے رونے دیا کہ اتنے عرصے کا غبار آسانی سے کہاں نکل سکتا تھا۔

"تمہارے پاس رمیصا ہے، غریب سہی مگر ہم سفر کا ساتھ موجود ہے جو تمہیں سرد و گرم سے بچانے کی کوششوں میں جُتا ہوا ہے، تم میکے آتی ہو تو ایک دن بعد ہی کہتا ہے کہ اس کا گھر اور دل تمہارے بغیر سُونا ہے۔ میرے گھر میں میرا انتظار کرنے والا کوئی نہیں۔ تمہارے پاس تو وہ مضبوط کندھا موجود ہے کہ دل بھر آنے پر اپنا غبار آنسوؤں کی صورت نکال سکو۔۔۔" مہتاب نے آنسوؤں کی برسات میں بات مکمل کی۔

سحر گم صُم مہتاب کو دیکھے گئی۔ سحر کی طرح اکثر ہم بھی ان لاتعداد نعمتوں کا ادراک نہیں کر پاتے جو ہمیں میسر ہے۔

چھٹی اور آخری قسط

تیری راہ میں

زینب گوہر

"ہاں ہاں، کرلے بہانے۔ اب ہمارا بنا کھانا بھی نہ کھا، ہم تو اچھوت ہیں نا تیرے لیے!" اس کی ماں ایک دم رونے لگیں۔ وہ گھبرا گئی، وہ ماں کو مزید ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے مارے باندھے کھانا بھی کھایا اور ماں کے اصرار پر مشروب بھی پیا، جس پر اس کی ماں بے حد خوش ہوئی۔ کھانے کے بعد اسے عجیب سی نقاہٹ ہونے لگی۔ وہ پورا دن بستر پر پڑی رہی تھی۔

◆◆◆

پھر یہ سلسلہ چل نکلا، روز ماں اس کو دوپہر کا کھانا اپنے ہاتھ سے کھلاتی اور مشروب پلاتی۔ بدبو اب پہلے سے بھی زیادہ اسے محسوس ہوتی۔ کھانے کے بعد اس سے اٹھا ہی نہیں جاتا۔ ایسے لگتا پیروں سے جان نکل رہی ہے۔ اس کی نمازیں قضا ہونے لگی تھیں، جس کا اسے بہت قلق تھا۔ ایک دن ماں اپنے مخصوص وقت پر آئیں تو اس نے چالاکی دکھائی۔ وہ پڑھائی میں مگن ہونے کی اداکاری کرنے لگی۔

"کھانا کھالے شیلا!"

"ماں ابھی تو میں مصروف ہوں! بہت پڑھنا ہے، پاپا کا نام روشن کرنا ہے۔" تیر نشانے پر لگا۔ وہ متذبذب دکھائی دینے لگیں۔

"ماں پریشان کیوں ہوتی ہو، کھانا یہاں رکھ دو، میں تھوڑی دیر میں خود ہی کھا لیتی ہوں۔" اس نے کتاب کو دیکھتے دیکھتے ڈرتے دل سے کہا۔

"اچھا، یاد سے کھالینا۔"

وہ تاکید کرتیں کمرے سے نکل گئیں تو اس نے گہرا سانس لیا اور کھانے کو تھالی میں ڈال کر پھینک کر مشروب کو سنک میں گرایا۔ وہ آج پہلی فرصت میں آنٹی سے مل کر انھیں سب بتانا چاہتی تھی۔

◆◆◆

"کیا!!" آنٹی کا ردِّعمل اس کی توقّع کے مطابق تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ان کے گھر آئی تھی۔ اسے گھر سے نکلنے کی اجازت بھی اب بہت مشکل سے ملتی تھی، وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایک اور جگہ اتری اور آنٹی کے گھر آ گئی تھی۔

"یہ تو بہت خطرناک بات ہے، میں کسی سے پتا کرواتی ہوں اس بارے میں۔"

اگلے دن وہ اپنے ایک جاننے والے بزرگ کے پاس گئی تھیں، جو روحانی علاج کیا کرتے تھے۔ شیلا نے ان کے کہنے پر بڑی رازداری اور احتیاط کے ساتھ اسے ان کی مطلوبہ مستعمل چیزیں بھجوادیں اور آنٹی نے اسے پیر صاحب کا جو انکشاف بتایا، اس نے مقدّس رشتوں کی بچی کھچی محبت کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

"بچی پر بڑا سخت قسم کا جادو ہو رہا ہے، کالا جادو! لگتا ہے، باطل قوتیں اسے دین سے پھیرنے کی کوششیں کر رہی ہیں یا تو یہ مرتد ہو جائے گی یا مر جائے گی!! اسے بولیں سختی سے ان چیزوں سے احتیاط کرے۔"

◆◆◆

اس کے اتنے قریبی رشتہ دار ایسا کر سکتے تھے، وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جان چھڑکنے والے ماں باپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"یارب! میں اور غم نہیں برداشت کر سکتی، میرے دل میں ہدایت دینے کے بعد کجی نہ ڈالیں، مجھے ایمان کی حالت میں ہی موت دے دیں یارب!"

اس کی دعائیں طویل ہو گئی تھیں۔ اس کا دل دین کے لیے زخم زخم ہوا تھا، اس کے باوجود اسلام چھوڑنے کے خیال سے اس کی سانسیں رکنے لگتی تھیں۔

◆◆◆

اس کی یہ چال کتنے دن چلنا تھی۔ ایک دن اس کی ماں کو پتا چل گیا کہ وہ ان کے لائے کھانے نہیں کھا رہی۔ انھوں نے سب پراکاش کو بتایا اور وہ اگلے دن اس کے کمرے میں تھے۔ ماں پلیٹ لیے اس کے قریب بیٹھ گئیں اور پاپا بالکل سامنے۔ اس کا دل ڈر کے مارے کانپنے لگا۔

"کھاؤ اسے!" پراکاش نے حکم دیا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"کھاؤ اسے!" اس بار وہ دہاڑے۔ شیلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے پاپا اس کے ساتھ ایسا کر رہے تھے۔

"میں اسے ہرگز نہیں کھاؤں گی! آپ لوگ مجھ پر جادو کر رہے ہیں! مارنا چاہتے ہیں مجھے! پاپا ماں، آپ لوگ اپنی بیٹی کو مارنا چاہتے ہیں۔"

وہ پاگلوں کی طرح روتے ہوئے بولی۔ اسے لگ رہا تھا وہ سچ مچ پاگل ہو جائے گی۔

"ہاں، کیا ہے جادو، لیکن صرف تمھیں اس دلدل سے نکالنے کے لیے جس میں تم نے خود کو دھنسالیا ہے۔" پاپا پر اس کے آنسوؤں کا بالکل اثر نہیں ہوا تھا۔

"کھاؤ اسے!" انھوں نے اپنا مطالبہ دہرایا، وہ زخمی نظروں سے ان کو دیکھتی رہی۔

"کرن!" انھوں نے کرن کو بلایا اور پھر جو ہوا وہ بہت برا تھا، کرن اور ماں نے مل کر اسے زبردستی کھانا کھلایا تھا۔

◆◆◆

اسے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس کی نمازیں قضا ہو رہی تھیں۔ اب تو اس کے دل میں نماز سے عجیب سے بے زاری ہونے لگی تھی، جو یقیناً جادو کا ہی اثر تھا۔ وہ رو رو کر اللہ سے معافی مانگتی۔ آنٹی سے رابطہ بھی کم ہی ہو پاتا تھا، وہ زیادہ وقت عجیب سی سوئی جاگی کیفیات میں رہتی۔ اس کے امتحانات میں بس ایک ہفتہ رہ گیا تھا اور تیاری صفر تھی۔

"پاپا کو اب میرے اور اپنے خواب کی بھی فکر نہیں رہی!" وہ رونے لگی۔

یہ تہجد کی گھڑیاں تھیں اور ابھی اسے طبیعت کچھ بہتر محسوس ہوئی تو وہ کچن سے پانی پینے چل پڑی۔ دل ہی دل میں وہ استغفار پڑھ رہی تھی۔

وہ کچن میں جانے لگی تو پراکاش صاحب کے کمرے سے روشنی نظر آئی۔

"پاپا اب بہت ہو گیا ہے، بند کریں اس کھیل کو مار دیں اسے!"

کمرے سے اس آکاش کی جھنجھلائی آواز سنائی دی۔ شیلا جلدی سے کچن میں چھپ گئی۔ شکر تھا اس نے کوئی لائٹ روشن نہیں کی تھی، جس سے ان لوگوں کو اس کی آمد کا شک ہو۔

"دھیرج بیٹا! میں بس اس کے امتحان ہونے کا انتظار کر رہا ہوں، اس کے بعد میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندوستان بھیج رہا ہوں! سارے انتظامات مکمل ہیں۔"

"ہائے میری بدنصیب بچی! جانے کس کی نظر لگ گئی۔" ماں کی روہانسی آواز سنائی دی۔

کچن میں شیلا کو لگا اس کے پیروں سے جان نکل رہی ہے۔ ہندوستان جانے کا مطلب تھا، اسلام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جانا۔ پاپا کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات تھے۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، کبھی بھی نہیں!" شیلا بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی، وہ آنٹی کو فون کر رہی تھی۔

◆◆◆

وہ بہت ہی احتیاط کے ساتھ خاموشی سے باہر نکلی، تھوڑی دیر میں ہی گھر والوں کو پتا چل گیا۔ انھوں نے اس کو کال کی، لیکن وہ گھر سے نکلتے ہی موبائل بند کر کے سم نکال کر پھینک چکی تھی اور آنٹی کے بتائے پتے کی طرف رواں دواں تھی۔

اس کی پچھلی زندگی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کی سامنے گھومنے لگی۔

پہلا منظر: چھوٹی سی شیلا پاپا کی گود میں چڑھی آئسکریم کھانے کی فرمائش کر رہی ہے اور پاپا اس کو اس کا گلہ خراب ہونے کی وجہ سے منع کر رہے ہیں۔

دوسرا منظر: تھوڑی بڑی شیلا مسکراتی ہوئی اسٹیج شیلڈ لے رہی ہے اور پاپا خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ تالیاں بجا رہے ہیں۔

تیسرا منظر: شیلا خوشی سے چلاتی پاپا کو اپنے میڈیکل میں داخلے کے بارے میں بتا رہی ہے اور پاپا سب گھر والوں کو مٹھائی کھلا رہے ہیں۔

چوتھا منظر: ڈری سہمی شیلا اپنے اسلام کا اظہار کر رہی ہے اور پاپا اسے بے یقین نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

پانچواں منظر: ماں اور کرن پاپا کے حکم پر اسے زبردستی کھانا کھلا رہے ہیں۔

ٹیکسی رکنے پر وہ حال میں لوٹی۔

"آہ۔۔ سب اتنا آسان بھی نہ تھا!"

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر ٹیکسی سے اتری۔ آگے زندگی کا ایک نیا باب اس کا منتظر تھا۔

◆◆◆

"عائشہ جلدی چلو، کتنی دیر لگاؤ گی!"

فاروق نے دوبارہ ہانک لگائی، وہ کب سے تیار بیٹھا تھا۔ صارم بھی باپ کے ساتھ بیٹھا منہ بنا رہا تھا۔

"آ گئی ہوں بھئی! آپ لوگوں میں تو صبر ہی نہیں!"

عائشہ برقع نقاب پہنے ان کے سامنے تیار کھڑی تھی۔ ہاتھ میں کامدار فینسی ڈوپٹا تھا۔

"تیار تو ایسے ہوتی ہیں جیسے اپنی شادی ہے۔" فاروق نے چھیڑا۔

"چلیں، باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ سب کی گاڑی جا چکی، ہم رہ گئے۔"

عائشہ مسکراہٹ چھپا کر باہر چلنے لگی۔ آج فاروق کے کزن کی شادی تھی۔ فاروق کے والدین دوسرے بیٹے کے ساتھ کافی دیر پہلے نکل چکے تھے۔

"محترمہ بول تو ایسے رہی ہیں جیسے دیر ہم نے کی ہے! کیوں صارم؟"

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فاروق بولا، صارم نے زور زور سے سر ہلایا۔

باپ بیٹے کے ایکے پر بظاہر عائشہ نے آنکھیں دکھائیں، مگر دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کیا، یہ پیاری سی فیملی اللہ کی ہی دین تھی۔ چھ سال پہلے جب اس نے گھر چھوڑا تھا، اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے نصیب میں اتنی آسانیاں ہوں گی۔

گھر چھوڑنے کے اگلے دن ہی انکل نے اسے فاروق کے بارے میں بتایا تھا۔

"اچھا لڑکا ہے، انڈونیشیا میں اچھی جاب ہے، وہ مجھ سے مستقل رابطے میں ہے، آج کل آیا ہوا ہے، میں چاہتا ہوں کل ہی تم دونوں کا نکاح کر دوں!"

اس بات پر وہ بے حد حیران ہوئی تھی اور پھر بلا سوچے سمجھے انکار کر دیا تھا۔

"دیکھو بیٹا، اسلام بے شک حسین اور صحیح ہے، لیکن افسوس مسلمان آج کل دین سے دوری کی وجہ سے اتنے اچھے نہیں رہے۔ آج تم ایک مخلص شخص کو انکار کرو گی، کل لڑکے والے دس سوال لے کر کھڑے ہوں گے، کسی کو تمہارے ایمان پر شک ہوگا، کسی کو تمہاری پچھلی زندگی مشکوک لگے گی، جب کہ فاروق اور اس کے گھر والے تم سے ایسا کوئی سوال نہیں کریں گے، اس کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ بات کو سمجھو!"

اور پھر ان کے اور آنٹی کے سمجھانے پر اگلے دن اس کا نکاح ہو گیا اور فاروق اس کو اپنے ساتھ باہر ملک لے جانے کے لیے کوششوں میں لگ گیا۔

فاروق نے تو بہت کوشش کی کہ وہ اپنے میڈیکل کے پیپر دے دے، لیکن اس میں بہت خطرہ تھا، اس لیے وہ پیپر نہ دے سکی۔ اس کے گھر والے مستقل تاک لگائے بیٹھے تھے۔

چند ہفتوں میں وہ باہر چلی گئی اور جانے کے ایک سال بعد وہ واپس آئی تو ننھا صارم اس کی گود میں تھا۔ فاروق کے اصرار پر اس نے پیپر بھی دے دیے۔

فاروق کے گھر والے بہت نفیس لوگ تھے، اس کے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ شرعی پردے کا ماحول تھا، اس لیے وہ شادیوں پر اپنے تیار ہونے کا شوق پورا کر لیتی تھی، جس پر فاروق بہت چھیڑتا تھا۔

شادی کے تیسرے سال اس نے حج کیا اور اسے لکشمی کا فون موصول ہوا۔

"میں کامیاب ہو گئی شیلا! میں نے، سنیل اور بچوں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے!"

یہ سن کر بے اختیار عائشہ سجدے میں گر گئی تھی۔ لکشمی نے دکھا دیا تھا کہ اگر انسان کا ارادہ پختہ ہو تو اللہ کی نصرت ضرور نصیب ہوتی ہے۔

لکشمی اب حیا بن گئی تھی۔ اس کے بعد سلسلہ چل پڑا اور یکے بعد دیگرے ان کے خاندان کے لوگ روشنی کے مسافر بنتے گئے جن میں سرفہرست اجنتا، رام (لکشمی کا کزن) اور نیشا (آکاش کی بیٹی) تھے۔

◆◆◆

"بیگم صاحبہ! کہاں کھو گئیں؟"

ہال آ گیا اور عائشہ گاڑی سے نہ اتری تو فاروق نے اس کا کندھا ہلایا۔

عائشہ چونکی، پھر جھینپ کر مسکرا دی۔ فاروق سمجھ گیا۔

"صارم لگتا ہے، آپ کی مما پھر سے ماضی کے سفر پر نکل گئی تھیں۔ چلو ہم چلتے ہیں، گاڑی مما پارک کر دیں گی!" فاروق کی شرارت پر صارم ہنس پڑا۔ عائشہ فاروق کو گھورتی گاڑی سے اتری اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے جذب سے بولی۔

"تیری راہ میں اے میرے مولا! یقیناً جو پایا ہے، وہ اس سے کئی گنا زیادہ ہے جو کھویا تھا!!!"

اولاد فتنہ ہے

مہوش اسد شیخ

میں میز پر جھکا کچھ ضروری پوائنٹ لکھ رہا تھا، جب احساس ہوا کہ موبائل بج رہا ہے۔ موبائل کی تلاش میں دائیں بائیں نگاہ گھمانے کے بعد دراز کھولا، دراز میں موجود موبائل کی اسکرین روشن تھی، دیکھا تو گھر سے تین بار فون آ چکا تھا۔

کام کی زیادتی کے باعث نظر انداز کر دینا چاہا، لیکن پھر نہ چاہتے ہوئے بھی کال بیک کر لی۔ "ہاں کیا بات ہے؟"

دوسری طرف سے بیوی کی آواز اُبھرتے ہی اُس نے سوال داغ دیا۔

"کہاں تھے آپ؟ فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے، اتنی بار فون کیا؟ دانستہ نہیں اٹھا رہے تھے یا مصروف تھے؟" سوالات کی بوچھاڑ نے مجھے خاصا زچ کیا۔

"باس کے ساتھ میٹنگ میں تھا، فون میز کی دراز میں تھا۔"

میں نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا... ! وہ میں نے یہ کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ ارحہ صبح سے منہ بسورے بیٹھی ہے۔ ناشتا کیا ہے نہ کھانا کھایا ہے، کہتی ہے اس کی سب سہیلیوں کے پاس ٹیبلٹ ہے، جب تک اسے نہیں دلایا جائے گا وہ کھانا نہیں کھائے گی۔ شام کو آتے ہوئے ہر صورت اس کی ٹیبلٹ لیتے آنا اور ہاں نیا ماڈل لانا، ایک ہی تو بیٹی ہے اس کی خواہشات پوری نہ کی تو کیا کیا!"

میں کوئی جواب بھی نہ دے پایا تھا کہ دوسری طرف سے کال منقطع کر دی گئی تھی۔ میں ابھی ٹیبلٹ لینے اور نہ لینے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا، مگر میرے ذہن میں ایک واقعہ بجلی کی سی تیزی سے آ لپکا اور میں ماضی میں پہنچ گیا۔

◆◆◆

ایک عورت کو گھر کا کچھ ضروری سامان لانا تھا وہ گھر سے نکلی۔

"امی... ! امی... ! مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔"

آٹھ دس سالہ بچی ماں کو پکارتی، اس کے پیچھے لپکی۔

"بیٹا ! میں ضروری چیزیں لینے بازار تک جا رہی ہوں، آپ گھر پر ہی رکیں۔ میں جلدی واپس آ جاؤں گی۔" ماں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"نہیں ! مجھے ساتھ ہی جانا ہے۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"بیٹا ! آپ چھوٹی ہو، آرام آرام سے چلتی ہو، تھک بھی جلدی جاتی ہو، آپ کی وجہ سے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔"

ماں نے اصل عذر سامنے رکھ کر بچی کو باز رکھنا چاہا، مگر بچی اپنی ضد کی پکی تھی۔

ماں مجبوراً اسے ساتھ لے گئی۔ بازار پہنچ کر ضروری کام نمٹائے سودا سلف لیا، اتنے میں افق پر شام کی سرخی پھیلنے لگی، ماں پریشان ہوئی اور بیٹی کا ہاتھ تھامے تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف چلنے لگی۔ ان کے رستے میں ایک دریا پڑتا تھا، دریا کے پانی کی سطح پر ایک بہت پیارا پھول تیر رہا تھا۔

بچی نے جب اتنا پیارا پھول دیکھا تو دل میں اسے پانے کی آرزو مچلنے لگی۔

"امی مجھے پھول چاہیے۔" بچی نے ماں کا ہاتھ جھنجھوڑا۔

"یہاں پھول نہیں ہوتے۔" ماں نے رکے بنا جواب دیا۔

"وہ دیکھیں، دریا میں پھول ہے۔"

بچی کے کہنے پر ماں نے رک کر دیکھا تو پانی کی سطح پر خوب صورت پھول تیر رہا تھا۔

"بیٹا ! وہ بہت دور ہے، ہم نہیں لے سکتے اور دریا کا پانی بھی گہرا ہے۔"

ماں نے رسانیت سے سمجھایا۔

"لیکن مجھے ہر صورت وہ پھول چاہیے۔" بچی بری طرح ضد کرنے لگی۔

"جاؤ خود ہی لے لو، میں نہیں جا سکتی پانی میں، مجھے ڈوبنے کا کوئی شوق نہیں۔"

ماں نے زِچ ہوتے ہوئے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا اور تیز تیز چلنے لگی۔ ماں کا خیال تھا کہ وہ تنہا خوف زدہ ہو جائے گی اور اس کے پیچھے ہی بھاگی چلی آئے گی۔ دریا کا رخ نہیں کرے گی، مگر بچی کو پھول کی خواہش نے اندھا کر دیا، وہ تیزی سے پانی کی طرف لپکی، پانی میں داخل ہوتے ہی لہریں سی بننے لگیں اور پھول ان لہروں پر تیرتا ہوا آگے کی طرف جانے لگا۔ بچی ہر خوف سے آزاد آگے بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ گہرے پانی میں اتر گئی، اب وہ اپنے بچاؤ کے لیے چیخنے لگی۔ ماں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو اس کی جان نکل گئی، وہ بھاگتے ہوئے واپس آئی، مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

یہ کہانی بچپن میں ہماری اماں جان ہمیں سنایا کرتی تھیں۔ سنانے کے بعد کافی دیر تک ضد کے نقصانات گنوایا کرتی تھیں۔ ہم کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کیا کرتے تھے، گزشتہ ضدوں کی معافی مانگا کرتے ہیں اور آیندہ نہ کرنے کا وعدہ کیا کرتے تھے۔

آج یہ کہانی اپنے بچوں کو بھی سنانے کی اشد ضرورت ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ کہانی پرانے دور کی نہیں بلکہ ہماری نئی نسل کی کہانی ہے۔ سب کے سب اپنی خواہشات کے پیچھے سرپٹ بھاگے چلے جا رہے ہیں، اچھی بری ہر خواہش پوری کر لینے کا جنون سر پر سوار ہے۔ نقصانات صاف دکھائی دینے کے باوجود کسی کو پروا نہیں، دنیا میں آنے کا مقصد بھولے بیٹھے ہیں۔ خواہشات کا حصول ہی سب کچھ ہے، خواہ غلط طریقے سے ہی کیوں نہ ہو۔ بچے والدین کو بلیک میل کر رہے ہیں۔ ماں باپ اولاد کی محبت میں اپنی چادر سے پاؤں باہر نکالنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بچوں کی خوشیاں اور ضدیں پوری کرنے کے چکر میں حرام وحلال کمائی کا فرق مٹتا چلا جا رہا ہے۔

"اولاد اک فتنہ ہے۔" یہ یقیناً اسی دور کے بابت کہا گیا تھا اور ساتھ ہی میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر بیٹی کی اچھی تربیت کرنی ہے تو اسے سمجھ دار ہونے سے پہلے ٹیبلٹ نہیں لے کر دینا۔

غلطی میری تھی

ام عثمان مظہر

"امی آپ تو ہر وقت مجھ پر ہی غصہ ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سب چھوٹے تو جیسے فرشتے ہیں اور بس ایک میں ہی اس گھر میں ظالم، جابر ہوں۔"

چھٹی جماعت کا طالب علم زکریا غصے میں اپنی ماں کے سامنے اس وقت چلّا رہا تھا، جب اس نے اسے چھوٹی ماروی کو مارنے سے منع کیا۔

اس کے چلّانے پر تو جیسے ثانیہ آپے سے ہی باہر ہو گئی، چھڑی پکڑی اور اچھی طرح اس کی دھنائی کر ڈالی۔ چھوٹے تینوں بچوں کو بھی جیسے دل چسپ مشغلہ ہاتھ آگیا ہو، وہ بڑے بھائی کو پٹتا دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ ان کا دل چاہتا کہ ماں بھائی کو اور مارے، کیوں کہ زکریا ان کی چیزیں چھین لیتا، بات بات پہ جھڑکتا، ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور جب اس سے کام نہ چلتا تو ہاتھ بھی چلاتا۔ ثانیہ جب زکریا کو پیٹتے پیٹتے تھک گئی تو اسے چھوڑ دیا اور نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر سے زکریا کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں، ثانیہ نے کمرے سے باہر آکر دیکھا تو چھوٹے تینوں رو رہے تھے اور زکریا کسی کی ٹانگ مروڑ رہا تھا اور کسی کا ہاتھ۔۔۔

"اف۔۔۔!! یہ لڑکا ہے یا جن۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ کہاں جاؤں؟"

وہ پھر سے زکریا کو برا بھلا کہنے لگی، وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے لگا۔

ثانیہ کا جی چاہا ایک بار پھر زکریا کی اچھی طرح دھنائی کرے، لیکن صبح سے سہ پہر تک تین مرتبہ زکریا کو مار مار کے اب وہ بھی تھک چکی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، وہ بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی، چوں کہ اسکول کی چھٹیاں تھیں اس لیے یہ جھگڑے سارا دن چلتے رہتے تھے۔ اسکول جانا ہوتا تو بچوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھانا پڑتا تھا، اب چھٹیاں تھی تو بچے بھی منہ اندھیرے ہی اٹھ جاتے اور تھوڑی ہی دیر میں گھر مچھلی بازار کا منظر پیش کرنے لگتا اور یہ سلسلہ رات تک چلتا رہتا۔ زکریا چھوٹے بھائی بہنوں پر حکم چلاتا، وہ احتجاج کرتے تو مارتا اور اگر ماں بیچ میں بولتی تو ماں پر چِلّاتا اور ماں کی غیر موجودگی میں اس کے ایک ایک لفظ کا حساب انھی چھوٹے بچوں سے لیتا تھا۔

◆◆◆

رات کا وقت تھا، بچے سو چکے تھے۔ ثانیہ اور خاور صاحب بھی اپنے کمرے میں تھے۔ زکریا کو نیند نہیں آرہی تھی، وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا:

"میں ایسا کیوں ہوں؟ میں ایسا کیوں کرتا ہوں؟ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے، بھلا میں ان کو کیوں مارتا ہوں؟" وہ قریب سوئے بہن بھائیوں کو دیکھ کر سوچنے لگا۔ "مگر میں کیا کروں! یہ بھی تو مجھے اماں سے پٹواتے ہیں ناں، یہ میری بات کیوں نہیں مانتے؟ میں ان سے بڑا ہوں، انھیں میری بات ماننی چاہیے، لیکن یہ میری بات نہیں مانتے اور میری عزت نہیں کرتے اور اماں بھلا صرف مجھے ہی کیوں مارتی ہیں، میں بھی تو ان کا بیٹا ہی ہوں۔"

دوسری جانب ساتھ والے کمرے میں پریشان ماں زکریا ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ چھوٹے تینوں کے ساتھ زکریا کی بھی تو ماں تھی جو آج کل اس کے لیے دردِ سر بنا ہوا تھا۔ خاور صاحب کو بچوں کی تربیت اور گھر کے ماحول سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ صبح سویرے گھر سے نکلتے اور رات گئے واپس آتے۔ چھٹی کے دن بھی موبائل اور لیپ ٹاپ میں مشغول رہتے۔ اس وقت بھی وہ پریشان تھی اور خاور صاحب موبائل میں مگن تھے۔ کافی دیر سوچتے سوچتے ثانیہ کمرے سے باہر آگئیں اور برآمدے میں چکر لگانے لگیں۔ بچوں کے کمرے سے زکریا کے بُڑبُڑانے کی آواز آرہی تھی، انھوں نے کان دروازے سے لگائے۔ وہ سب کچھ سن لیا جو کچھ زکریا اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ ثانیہ ایک دم بے چین ہو گئی۔ اس نے وضو کیا، دو نفل پڑھے اور خوب رو رو کر دعا کی۔ دعا کے بعد وہ بستر پہ جا کر لیٹی تو اسے ایک حل سمجھ آگیا اور اس نے آپ سے کہا: "ہاں یہ ٹھیک ہے، اب میں ایسا ہی کروں گی۔" اور اگلی صبح جب وہ اٹھی تو اس نے اپنا رویہ بالکل تبدیل کر لیا۔

اس دن تقریباً گیارہ بجے اسے ہلکی سی آواز سنائی دی کہ جیسے بچوں کے درمیان کوئی تلخی ہے۔ وہ وہاں پہنچی تو صورتِ حال یہ تھی کہ زکریا اور علی کے درمیان کسی گیم پر بحث ہو رہی تھی۔ ثانیہ بولی: "بیٹا!! بھائی جان بڑے ہیں، آپ کو ان کی بات ماننی چاہیے، اگر آپ نہیں مانیں گے تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔" یہ جملے جیسے زکریا کے کانوں میں رس گھول گئے۔ اس کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو گیا، مگر بہر حال دونوں ہی ہار ماننے کو تیار نہ تھے۔ ثانیہ نے انھیں ان کے حال پر چھوڑا اور خود باہر آگئی۔

الجھنے اور تکرار کی آوازیں آتی رہیں، مگر آج نوبت مار پٹائی تک نہیں آئی۔ تھوڑی دیر بعد ثانیہ نے زکریا کو سودا سلف لینے بھیجا اور چھوٹے تینوں کو جا لیا۔

آپ سب میری بات غور سے سنیں: "آج سے میں نے یہ اصول بنایا ہے کہ جو بھی زکریا بھائی کی بات نہیں مانے گا، میں اس کی قطعاً حمایت نہیں کروں گی۔ اگر آپ لوگوں کو لگے کہ آپ کے ساتھ بھائی زیادتی کر رہے ہیں، تب بھی تھوڑا صبر کریں، جب آپ لوگ صبر کریں گے تو بھائی کو بھی احساس ہوگا اور وہ آپ کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے۔" آٹھ سالہ ماروی، دس سالہ علی اور گیارہ سالہ حارث کے لیے یہ باتیں بالکل نئی تھیں۔ انھوں نے احتجاج کیا تو ثانیہ بولی:

"میرے بچو......!! حدیث کی رہنمائی بھی یہی ہے کہ اگر احتجاج کے بجائے صبر کا راستہ اپنایا جائے تو ہی بدمزگی سے بچا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر آپ لوگ اس طریقے پر عمل نہیں کریں گے تو تمام عمر ہمارے گھر سے لڑائی جھگڑے ختم نہیں ہوں گے۔ اب آپ لوگ سوچ لیں کیا کرنا ہے۔" بچے کچھ دیر مزید منمنائے اور پھر ماں کی بات پر عمل کا وعدہ

بقیہ صفحہ 29 پر

اقالہ

قرأت گلستان

"خریدا ہوا مال واپس اور تبدیل بھی ہو جائے گا۔" بچکانہ ملبوسات نامی دکان پر آویزاں اس تختی کو گاہک ایک لمحے کے لیے رک کر دیکھتے تھے اور آس پاس کے دکان دار ہنس کے۔

"ارے بیٹا! ایسی روشن تختیاں ہم نے بھی بہت لگائی تھیں، پھر ایسے ایسے نقصان اٹھائے کہ "الامان الحفیظ" قریبی دکان والے باسط بھائی نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"چلو ہم بھی دیکھ لیں گے نفع ہوتا ہے یا نقصان۔" احمد نے کان پر سے مکھی اڑائی۔

"کوئی ایسا ویسا دیکھ لو گے؟ ٹھیک ٹھاک دیکھ لو گے۔" مزمل بھائی نے کہا اور باسط بھائی کے ہاتھ پر تالی ماری۔ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟" احمد نے بھی مسکرا کر کہا۔

"آپ بھی پیچھے کا یاد رکھیے گا کہ کہا تھا کیا۔۔۔" باسط بھائی نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سب ہی مسکرا دیے۔

◆◆◆

"بیٹا! کاروبار کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ مجھے ظفر بھائی نے بتایا کہ تم نے دکان پر سے "خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا" کی تختی ہٹا کر "واپس اور تبدیل ہوگا" کی تختی لگا دی ہے۔" گھر پہنچتے ہی احمد کی اپنے ابو کے سامنے پیشی ہو گئی تھی۔

"اللہ پاک ظفر چاچا کی زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ آمین" احمد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ ابو اسے غور سے دیکھتے رہے۔

"ابو دراصل ہمیں شرعی حکم یہی ہے کہ گاہک واپس یا تبدیل کرنا چاہے تو کر دیں۔ بس آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو مدّ نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ تختی لگائی ہے۔" احمد نے سچائی سے جواب دیا۔ اس کے ابو بمشکل اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"بیٹا! بے شک حکم تو یہی ہے، لیکن لوگ دھوکا دے جاتے ہیں۔ ایک دن آپ سے سوٹ لے کر جائیں گے رات کی تقریب میں پہنائیں گے اور صبح سویرے واپس لے آئیں گے، جی ہمارے بچے کو پورا نہیں آیا۔ اس طرح کی ہوشیاری ہمارے عوام بہت کرتے ہیں اور جو اگر دکاندار یوں کہہ دے کہ یہ تو پہنا ہوا لگ رہا ہے، پھر تو دکاندار سے بڑا کوئی جھوٹا اور دھوکے باز نہیں اور خریدتے وقت اگر ہلکا سا دھول مٹی کا بھی نشان ہو تو کہیں گے دوسرا پیس دیں، یہ تو میلا لگ رہا ہے۔ بیٹا ایسے جھنجھٹ بہت بھگتے ہیں، جن کے بعد ہی تختی لگائی تھی کہ "واپس یا تبدیل نہیں ہوگا" احمد کو ابو نے متانت سے سمجھایا۔

"ہاں ایسا ضرور ہوتا ہوگا ابو! بے ایمان اور دھوکے باز لوگ بھی آتے ہوں گے، لیکن کچھ تو مجبور بھی ہوتے ہوں گے، جن سے بیع واپس لے کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کی بشارت کے حق دار ہو جائیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بھی اپنے مسلمان بھائی سے (اس کی خریدی ہوئی چیز، اس کی مجبوری پر اس سے در گزر کرتے ہوئے واپس لے لی اور اسے اس کی پوری قیمت دے دی) تو اللہ پاک دنیا و آخرت میں اس کی خطاؤں سے در گزر فرمائیں گے۔" احمد کی بات پر اس کے ابو خاموش ہو گئے۔

"بیٹا! اپنی امی سے کہو چائے لے آئیں۔" احمد سمجھ گیا کہ ابو مزید اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتے، وہ جی اچھا کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

◆◆◆

"بیگم! احمد بچہ ہے، نا تجربہ کار، کم عمر ہے۔ اچانک سے دکان پر بھیج دیا، جوش جذبات میں کہیں کاروبار ہی نہ ڈبو دے۔" شکیل صاحب نے تفکر سے کہا۔

"کیا ہوا جی؟" احمد کی امی نے تعجب سے پوچھا تو شکیل صاحب نے انھیں ساری کہانی سنا دی۔

"آپ ظفر بھائی سے بات کریں، وہ دکان کے پرانے ملازم ہیں وہ احمد کے حوالے نہ کریں لین دین کے معاملات" بیگم شکیل بھی ساری بات سن کر پریشان ہو گئی تھی اور شکیل صاحب خاموش بیٹھے سوچوں میں غرق تھے۔

"سوچتا ہوں آپریشن کو ایک ماہ تو ہو گیا ہے، میں خود ہی۔۔۔" شکیل صاحب کا مجلّہ آدھے میں ہی بیگم نے اچک لیا۔

"ہرگز نہیں۔ چھ ماہ آرام کا کہا ہے ڈاکٹر نے۔ آپ ابھی کہیں نہیں جائیں گے۔" شکیل صاحب کی خاموشی پھر طویل ہو گئی۔

"آپ فکر نہ کریں میں سمجھاؤں گی احمد کو۔" بیگم شکیل نے آہستگی سے کہا اور کچھ سوچتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگیں۔

◆◆◆

احمد کو پچھلے چار دنوں سے امی، ابو، ظفر چاچا اور دوست سب ہی سمجھا رہے تھے کہ خریدا ہوا مال واپس لینے یا تبدیل کرنے میں سراسر نقصان ہوتا ہے، لیکن اس کا دل ایک ہی بات کہتا تھا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر عمل کر کے نقصان ہو ہی نہیں سکتا۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رب العالمین کے محبوب ہیں جو خسارے میں سے نفع نکال دیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان کا کہا مانوں اور میرا کاروبار ڈوب جائے؟؟؟

لیکن یہ سب باتیں سب لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ احمد ذہنی طور پر پریشان تھا اور اس کے ابو فکروں سے ہلکان۔

◆◆◆

دس سالہ احمد خراماں خراماں ماموں جان کا ہاتھ پکڑے سبزی منڈی سے لوٹا تھا۔ اپنے تئیں ماموں جان عمدہ سبزی اور پھل فروٹ خرید کرلائے تھے، لیکن گھر پہنچتے ہی جب نانی امی نے ماموں کے لائے ہوئے تھیلے کھولے تو ماموں جان کو خوب لتاڑا۔

"یہ سڑے ہوئے ٹماٹر تمھیں نظر نہیں آئے؟"

"یہ سوکھی ہوئی ککڑی، دیکھو ذرا! میاں آنکھیں کیا گھر رکھ کر گئے تھے؟" نانی امی ایک ایک چیز نکالتیں اور ماموں جان کو لتاڑتیں۔

"امی جان! میں نے خود اچھے اچھے ٹماٹر ڈھونڈ ڈھونڈ کر ڈالے تھے، پتا نہیں کب نظر بچا کر اس نے گلے سڑے ڈال دیے۔" ماموں جان منمنا رہے تھے۔ نانی امی کافی دیر تک غصہ کرتی رہیں تھیں۔ اندر کمرے میں بیٹھی ماموں جان کی نئی نویلی دلہن نجانے کیا سوچ رہی تھی اور دس

سالہ احمد کے ذہن میں یہ منظر نقش ہو رہا تھا۔

"ڈاڑھی رکھ کر ٹوپی پہن کر بھی لوگ دھوکا دیتے ہیں۔" ماموں نے سر پر سے ٹوپی اتارتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

"ڈاڑھی ٹوپی والے سے لوگ آسانی سے دھوکا کھا لیتے ہیں، اس لیے دھوکا دینے والے ان کا روپ دھاڑ لیتے ہیں۔ حقیقی ڈاڑھی ٹوپی والے دھوکا نہیں دیتے۔ خیر باٹتے ہیں، نفع پہنچانے والے ہوتے ہیں، کیوں کہ دین کی تعلیمات ہی یہی ہیں۔" مامی نے بھی آہستگی سے کہا تھا احمد کو ان کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"دھوکا سبزی والے نے دیا اور ہمارے گھر کا سارا ماحول خراب ہو گیا۔" ماموں نے ایک نظر نانی امی کو دیکھ کر افسردگی سے کہا۔

احمد نے پہلو بدلا، بارہ سال پرانی بات ذہن کی اسکرین پر یوں نمودار ہوئی تھی، جیسے نانی امی پاس ہی بیٹھی بڑبڑا رہی ہوں، مامی چور نگاہوں سے اپنے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے باہر کا منظر دیکھ رہی ہوں اور ماموں جان منمنا کر وضاحتیں دے رہے ہوں۔

فجر کی اذان بلند ہوئی تھی۔ ساری رات سوچوں میں ڈوبتے ابھرتے گذر گئی تھی۔ دل کش مکش کا شکار تھا۔ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

لینے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" ظفر چاچا کے انداز آج بھگانے والے تھے اور جب کوئی گاہک خریدنے آئے تو ان کے انداز ان کو روک لینے والے ہوا کرتے تھے۔

"دکھایئے باجی!" پیچھے سے احمد آ گیا تھا۔

"پہنا یا تو نہیں بچی کو؟" احمد نے سوٹ کھول کر دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"نہیں بھائی، پہنا کر کیوں واپس لاؤں گی۔" عورت نے بات بنتی دیکھ کر جھٹ سے کہا۔

"جی ٹھیک ہے، پیسے دے دیں ان کو ظفر چاچا!" احمد نے سوٹ دیکھ کر تسلی کی اور پیک کر کے واپس رکھ دیا۔ ظفر چاچا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور عورت کو پیسے تھما دیے۔

"اللہ کو حاضر ناظر جان کر اللہ کی بندی سے اقالہ کیا ہے، اس امید پر کہ روزِ قیامت مجھ سے میرے گناہوں پر اقالہ کرے گا، یعنی گناہوں سے پاک صاف کر دے گا اور دوسری نیت یہ کہ آقا کے فرمان کے مطابق بیع پر اقالہ کیا ہے، جن کی سنتوں پر چل کر سو فیصد کامیابی کا یقین میرے دل میں ہے۔ اللہ نے چاہا تو اسی اقالے کی وجہ سے ہمارا کاروبار پھلے گا پھولے گا۔"

ظفر چاچا دل میں ان شاء اللہ کہہ کر پاؤں میں جوتے اڑس کر باہر نکل گئے۔ احمد بکھرے ہوئے سوٹ تہہ کر کے واپس رکھنے لگا۔

◆◆◆

"بھائی یہ سوٹ کل لیا تھا آپ سے بچی کے پاس یہ رنگ پہلے بھی ہے، گھر لے جا کر دیکھا تو یاد آیا۔ یہ آپ واپس لے لیں۔" صبح صبح ہی دکان پر ایک عورت ایک سوٹ واپس لائی تھی۔ "واپس اور تبدیل نہیں ہوتا۔" ظفر چاچا نے بکھرے ہوئے سوٹ سمیٹ کر واپس رکھتے ہوئے بے رُخی سے کہا۔

"ایسے کیسے نہیں ہو گا؟ یہ اتنی بڑی تختی کیا یوں ہی لگا رکھی ہے۔" عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کہاں ہے تختی؟" ظفر چاچا نے اسی مصروف انداز میں کہا۔

"یہ۔۔۔" عورت کا ہاتھ اسی دیوار کی طرف اٹھا ہوا اور نظریں اس تختی کو ڈھونڈتی رہ گئیں جو کل اس نے دھیان سے دیکھی تھی۔

"کل تو یہاں لکھا ہوا تھا کہ۔۔۔" عورت متحیر انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پوری مارکیٹ میں کوئی بھی واپس یا تبدیل نہیں کرتا، آپ کسی سے بھی پوچھ۔ آپ کو

اور آج چار سال بعد احمد نے اپنی دکان کی سامنے والی دیوار پر جلی حروف میں لکھوایا تھا کہ "خریدا ہوا مال واپس بھی ہو جاتا ہے اور تبدیل بھی۔"

ایک وہ بھی دن تھا جب ابو کی خاموشی اور ناراضی کی وجہ سے اس نے وہ تختی اتار لی تھی، لیکن پھر بھی اگر کوئی گاہک آ جاتا تو واپس بھی کر دیتا اور تبدیل بھی۔

یہ اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ فقط چار سالوں میں وہ اپنی الگ دکان بنا کر اس میں کاروبار کرنے کے قابل ہو گیا تھا اور اس دکان میں اس نے تختی نہیں لگائی تھی بلکہ دیوار پر جلی حروف میں لکھوا دیا تھا۔

وہ خیر باٹنے والا بننا چاہتا تھا اور کاروبار بھی ماں باپ دوست احباب کے کہے کے مطابق نہیں بلکہ آقا مدنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کر کے دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹنا چاہتا تھا۔

بقیہ

غلطی میری تھی

کر لیا۔

ایک اور خاص کام جو ثانیہ نے کیا، وہ یہ تھا کہ سب بچوں کے لیے تم کے بجائے آپ کا صیغہ استعمال کرنے لگی۔

یہ ترکیب خاصی کامیاب رہی۔ بچے عزت پا کر مؤدب سے نظر آنے لگے۔ ان کی اس

فوری تبدیلی کو دیکھ کر ثانیہ سخت شرمسار ہوئی اور سوچنے لگی کہ ہم بچوں کو عزت دیے بغیر ان سے عزت کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک اور اصول جو بہت فائدہ مند ثابت ہوا، وہ یہ تھا کہ کسی بھی بڑے بچے کو اس سے کسی بھی چھوٹے بچے کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں کہنا، ذرا بھی نہیں ڈانٹنا، جب میں خود ہی بڑے کو چھوٹے کے سامنے ڈانٹوں گی تو پھر چھوٹا کیسے خود سے بڑے کی عزت کرے گا اور بڑا بھی اپنا غصہ چھوٹوں پر اتارے گا۔ وہ زکریا کو تنہائی میں سمجھاتیں کہ اسے چھوٹے بھائی بہنوں کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آنا چاہیے۔ اس طرح چھوٹے بھائی بہن بھی اس سے محبت کریں گے، اس سب کا نتیجہ بہت زبردست تھا۔ وہی گھر جو چند دن پہلے اکھاڑے کا منظر پیش کرتا تھا، محبت اور عزت کے ماحول نے اسے معطر کر ڈالا۔

تھوڑا اور سوچنے کے بعد ثانیہ نے ایک اور اصول اختیار کیا کہ ہر غلطی پر بار بار ٹوکنا چھوڑ دیا، بلکہ رات سونے سے پہلے سب بچوں کو جمع کر کے محبت اور پیار سے باتیں کرنے لگی، انہی باتوں میں کسی بچے کا نام لیے بغیر کئی شرارتوں اور غلطیوں کے برے نتیجے اور اچھی باتوں کے اچھے نتیجے کی تعلیم دینے لگی، نیز موقع نکال کر ہر بچے کو تنہائی میں سمجھانے لگی۔ گو ایک ایک شکایت پر کئی کئی بار سمجھانا پڑتا، مگر ثانیہ نے طے کیا تھا کہ الجھنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے نرم لہجے سے بات کرے گی، اس سے ماحول بہتر ہونے لگا۔

اب ثانیہ بہت خوش تھی۔ وہی ثانیہ جو چھٹیوں کو اپنے لیے مصیبت سمجھتی تھی، اب خوش رہنے لگی تھی اور وہ چھٹیوں کو مزید کارآمد بنانے لگی۔ اسے احساس ہوا کا غلطی اسی کی تھی بچوں کا قصور نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگی: "اس کا مطلب بچوں کی تربیت کے لیے مزید بہت کچھ اچھا ہو سکتا ہے۔"

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

زندگی کیا ہے؟

ننھے بچوں سے سنیے

میمونہ شوکت

"پیارے بچو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج جمعۃ المبارک ہے اور ہم ہمیشہ کی طرح سبق کے علاوہ کچھ وقت باتوں کو دیں گے، جس میں ہر ایک اپنی پسند کی اچھی بات کہے گا۔" ٹیچر نازیہ نے کلاس میں داخل ہوتے ہی اپنی طرف متوجہ کیا۔ سب بچے بہت غور سے بات سن رہے تھے۔

"تو کیا آپ سب تیار ہیں؟" ٹیچر نازیہ نے بلند آواز سے بچوں سے پوچھا۔ جی جی! سب بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"عنوان تو میں نے کل آپ کو بتا دیا تھا۔ وہ عنوان تھا۔ "زندگی" تو کیا میں امید کر سکتی ہوں کہ آپ اس کے بارے میں معلومات لے کر آئے ہیں؟" ٹیچر نازیہ نے بچوں سے پوچھا۔

"جی ٹیچر! ہم سب تیار ہو کر آئے ہیں۔"

"تو پھر چلیے سب سے پہلے زویا اقبال! آپ بتائیں کہ آپ "زندگی" کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟"

"میں کہتی ہوں کہ زندگی عارضی ٹھکانا ہے اور آخرت ہمیشہ۔" زویا نے کہا۔

"آپ جو الفاظ بولیں گے آپ کو اس کا مطلب بھی آنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ محض سنانے کے لیے چند الفاظ رٹ کر بول دیے، بلکہ ان کا مطلب بھی آپ کو آنا چاہیے تاکہ آپ بہتر سے بہتر طور پر جان سکیں کہ ان الفاظ کا مقصد کیا ہے۔"

ٹیچر نازیہ نے زویا کی بات سننے کے بعد سب کو ذہن نشین کروا دیا کہ وہ جو بولیں گے اور ان کا مطلب بھی پتا ہو تو زویا آپ یہ بتایئے کہ زندگی عارضی ہے اس میں عارضی کا کیا مطلب؟ ٹیچر نازیہ نے زویا سے پوچھا۔

"عارضی کا مطلب ہے ہمیشہ نہ رہنے والی۔ یعنی یہ زندگی ہمیشہ نہیں رہے گی۔"

"ماشاء اللہ، شاباش! اس کا مطلب ہے آپ مکمل تیاری کے ساتھ آئے ہیں۔ چلیے اس کے بعد دوسرے نمبر پر زینت مشتاق! آپ بتایئے کہ آپ کا زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ زینت نے بتانا شروع کیا کہ "زندگی ایک پانی کا بلبلہ ہے۔"

"زینت! یہ بتایئے کہ آپ نے زندگی کو پانی کے بلبلے سے تشبیہ کیوں دی؟" ٹیچر نازیہ نے زینت سے پوچھا۔

"زندگی ایک بلبلہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ پانی کے بلبلے کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا کہ وہ کب بجھ جائے اور وہ چند سیکنڈوں میں ہی بجھ جاتا ہے۔ زندگی کی مثال اس پانی کے بلبلے کی طرح ہے، جس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ کب وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے۔" زینت نے ذرا تفصیل سے سمجھاتے ہوئے اپنے جملے کا مفہوم سب کے سامنے بیان کر دیا۔

"گریٹ فل، شاباش! تم نے زندگی کو بہت ہی آسان الفاظ میں بیان کیا۔ بہت اچھے۔" ٹیچر نازیہ نے تعریفی کلمات سے نوازا۔

"تو پھر اس کے بعد کس کی باری ہے۔ چلیے طیبہ عمر دراز! آپ بتائیں کہ آپ کی "زندگی" کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

طیبہ تو جیسے بے چین تھی بات کرنے کے لیے، فوراً بولنے کے لیے بے تاب تھی، جیسے وہ جلدی جلدی کہہ دے کہ کہیں اسے بھول نہ جائے۔ نہ جانے کب سے وہ منہ ہی منہ میں اپنے الفاظ کا تکرار کر رہی تھی۔ لگتا ہے طیبہ کو بہت جلدی ہے۔ چلیے جی آپ کا انتظار ختم، بولیں!" ٹیچر نازیہ نے کہا۔

"طیبہ نے شرماتے شرماتے اپنا جملہ مکمل کیا "زندگی ایک امتحان ہے۔"

سب بچے کھی کھی کر کے ہنسنے لگے کہ اتنے چھوٹے سے جملے کو وہ نہ جانے کب سے منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔ ٹیچر نازیہ نے سب کو چپ کروایا اور سمجھاتے ہوئے کہا کہ "کسی پر ہنسنا بری بات ہے۔ ہر ایک کے اندر اعتماد ہوتا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ آپ میں سے کوئی اپنی بات دوسروں تک بآسانی پہنچاتا ہے اور کوئی ذرا مشکل سے۔ ہر ایک کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ طیبہ کو لگ رہا ہو گا کہ وہ گھبراہٹ کی وجہ سے اپنا جملہ بھول نہ جائے، اس لیے وہ اس کی مشق کر رہی تھی۔ مجھے یقین ہے وہ آہستہ آہستہ خود کو بہتر کرے گی۔ جب آپ اس پر ہنسیں گے تو وہ کیسے اپنی جھجک کو دور کرے گی، بلکہ وہ آپ کے ہنسنے سے زیادہ پریشان ہو جائے گی۔ کلاس میں ہر طرح کے بچے ہوتے ہیں ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔" ٹیچر نازیہ نے سب بچوں کو بہت ہی پیار سے سمجھایا۔

سب نے سوری کی اور پروگرام کو آگے بڑھایا۔ "چلیے طیبہ اب ہم سب اس بات کے منتظر ہیں کہ ہمیں اس جملہ کا مفہوم سمجھایئے۔ امید ہے کہ آپ بہت اچھے الفاظ میں ہمیں زندگی کی حقیقت کے بارے میں بتائیں گی۔" ٹیچر نازیہ نے اسے ہمت دلاتے ہوئے کہا۔

"زندگی ایک امتحان ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ، آ، میں، م م۔"

"ہاں ہاں بولو شاباش۔" نازیہ نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

طیبہ نے پھر سے بولنا شروع کیا "زندگی ایک امتحان ہے اور ہمیں اس کو پاس کرنا ہے۔"

"کیسے پاس کر سکتے ہیں زندگی کے امتحان کو۔" ٹیچر نازیہ نے بات کو آگے بڑھایا۔

"اچھے اور نیک اعمال کے ذریعے ہم اس امتحان میں پاس ہو سکتے ہیں۔ جب کہ برے اعمال سے ہمیں برا نتیجہ ہی ملے گا۔ آج ہم اگر امتحان میں سب کچھ ٹھیک ٹھیک کریں گے تو کل ہمیں اس کا بہترین رزلٹ ملے گا یعنی آخرت میں ہم اس کا پھل بھی پائیں گے، زندگی ہمارے لیے امتحان ہی ہے اور یہ اب ہم پر ہے کہ ہم اس امتحان کو کس پہلو سے لیتے ہیں۔" بالآخر طیبہ نے سب کی حوصلہ افزائی سے بہت ہی اچھے طریقے سے اپنے بات کو بیان کیا۔

"زبردست شاباش۔" ٹیچر نازیہ نے داد دیتے ہوئے کہا۔ "دیکھا بچو! آپ سب اس پر ہنس رہے تھے کہ ایک جملے کو بار بار یاد کر رہی ہے اور وہ بھی اتنا چھوٹا سا جملہ۔ اس کا مطلب ہے کہ پریشانی یاد کرنے کی نہیں، بلکہ اعتماد کی تھی۔ اگر آپ سب اس پر ہنستے تو کیا وہ یہ سب کچھ کہہ سکتی اور اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتی۔ اگر آپ کے برتاؤ کی وجہ سے وہ بول نہ پاتی تو اس کی یہ جھجک دور نہ ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اتنے اچھے الفاظ سننے کو نہ ملتے۔ اب جو باتیں طیبہ نے بتائی ہیں وہ کسی اور نے نہیں بتائیں۔ اس سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ چلیں اب سب طیبہ کے لیے ماشاء اللہ کہیں!" ساری کلاس ماشاء اللہ کی آواز سے گونج اٹھی، سب نے طیبہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے جیسے قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے، بالکل اسی طرح آپ دیکھیے گا کہ کل طیبہ ہماری کلاس کے سامنے ہی نہیں بلکہ پورے اسکول کے سامنے بول سکے گی۔ چلیے اب بہت باتیں ہو گئیں۔ اب صرف عائشہ رہ گئی ہے اسے بھی بولنے کا موقع دیں۔"

خُفیہ ریکارڈنگ

نا ہید گل

دادی امی، دادا ابو، ماما، بابا، اپیا اور معاذ سب "ایل سی ڈی" پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے معاذ کے بابا کو ایک "پارسل" ملا تھا جس میں ایک "یو ایس بی" تھی۔
معاذ کے بابا ظفر اس "یو ایس بی" کو دیکھ کر پریشان تھے، کیوں کہ بھیجنے والے کا کوئی نام پتا درج نہ تھا، ظفر صاحب کے والدِ محترم بولے: "بیٹا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تم یو ایس بی کو لگا کر دیکھو اس کے اندر ہے کیا؟" جیسے ہی ظفر صاحب نے اسے چلایا تو سامنے کا منظر دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔
"ایل سی ڈی اسکرین" پر دس سالہ معاذ نظر آ رہا تھا، وہ چپکے چپکے باورچی خانے کی طرف جا رہا تھا، وہاں جا کر معاذ نے "فریج" کے اندر رکھی ہوئی اپیا کی آئس کریم اٹھائی اور مزے سے کھانے لگا، معاذ اپنے حصے کی آئس کریم تو پہلے ہی کھا چکا تھا۔
اگلے دن جب اپیا نے آئس کریم کو نہ پا کر شور مچایا تو معاذ صاف مکر گیا کہ اسے تو کچھ معلوم ہی نہیں۔
اب اس وڈیو نے معاذ کے جھوٹ کا پول کھول دیا تھا، سب گھر والے معاذ کو گھورنے لگے اور معاذ نے شرمندہ ہوتے ہوئے اپنے سر کو جھکا لیا۔
اگلے منظر میں معاذ اپنا کھانا ختم کرنے کے بجائے کچرا دان میں ڈال رہا تھا اور اپنی ماما سے کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنا سارا کھانا ختم کر لیا ہے۔ جب ماما نے یہ منظر دیکھا تو معاذ کے اس دھوکے پر بہت افسردہ ہوئیں۔
اس سے اگلے منظر میں، معاذ کے دادا ابو اسے بلا رہے ہوتے ہیں، مگر معاذ سنی ان سنی کر دیتا ہے اور خود سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں دادا ابو سے کہہ دوں گا کہ مجھے تو ان کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔
اب تو معاذ شرمندگی سے پانی پانی ہو رہا تھا۔
اسی طرح کی اور بھی بہت سی "وڈیوز" تھیں جن میں معاذ کی مختلف حرکات کے مناظر تھے۔
معاذ اپنے سارے جھوٹ بے نقاب ہوتا دیکھ کر بہت پشیمان تھا۔ اس نے سب گھر والوں سے معافی مانگی، مگر وہ اس بات سے بہت پریشان تھا کہ اس کی خفیہ ریکارڈنگ کس نے کی تھی؟
معاذ کی والدہ نے جب اسے اتنا پریشان دیکھا تو معاذ کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگیں:
"معاذ بیٹا! آپ اس بات پر پریشان ہیں کہ یہ ریکارڈنگ کس نے کی ہے؟"
معاذ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا، "جی ہاں۔"
"تو سنو بیٹا! یہ سب ریکارڈنگ کراماً کاتبین کر رہے ہیں، یہ وہ فرشتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس کے ایک ایک پل کا اندراج کر رہے ہیں، تاکہ قیامت کے دن کوئی انسان اپنے کسی گناہ یا جرم سے مکر نہ سکے۔"
"معاذ میری بات سن رہے ہو نا، معاذ،، معاذ،، اچانک معاذ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔"
"کیا ہوا معاذ بیٹا! کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟" معاذ کی والدہ نے معاذ کو گلے سے لگاتے ہوئے پوچھا۔
"جی امی جان میں نے خواب تو دیکھا ہے، لیکن ڈراؤنا خواب نہیں بلکہ ایک ایسا خواب جس نے سچ مچ میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"
"امی جان میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آیندہ کبھی کسی کو دھوکا نہیں دوں گا اور نہ جھوٹ بولوں گا، کیوں کہ ہمارے تو ایک ایک پل کی ریکارڈنگ ہو رہی ہے نا۔"
"شاباش میرا پیارا بیٹا! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" امی جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دراصل عائشہ کی طرف سب کا دھیان تھا کیوں کہ سب کو پتا تھا کہ عائشہ ہر بار کچھ مختلف انداز لے کر آتی ہے اور سب اس کی باری کا انتظار کرتے تھے، وہ بہت ہی اچھا بولتی تھی۔ سب یہ سوچ رہے تھے کہ سب نے زندگی کی حقیقت کو اتنے اچھے انداز میں بیان کیا ہے اور عائشہ جو ہم سب سے اچھا بول لیتی ہے اور ہر بار کچھ نیا انداز لے کر آتی ہے، آخر وہ کیا بولے گی۔ سب بے چین تھے۔
"چلیے بھئی عائشہ! ہماری بے چینی کو ختم کریں اور بتائیں کہ زندگی کیا ہے؟" ٹیچر نازیہ نے کہا۔
"میری معزز ٹیچر اور میری ہم مکتب ساتھیو! السلام علیکم!"
اس آواز کے ساتھ ہی سب شرمندہ ہو گئے۔ بے شک سب کے سمجھانے کا انداز مختلف ہوتا ہے، لیکن بات کرنے سے پہلے سلام تو سب کو ہی کرنا چاہیے۔ سب نے یک زبان ہو کر وعلیکم السلام کہا۔
عائشہ نے بات شروع کی: "آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ میں کہتی ہوں اگر کوئی آپ سے یہ سوال کرے کہ زندگی کیا ہے؟ تو ہاتھوں پر ذرا سی خاک رکھنا اور اڑا دینا۔ شکریہ"
"واؤ واؤ، زبردست، ویری نائس!" ان آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا۔
"ایکسیلنٹ، شاباش عائشہ! تمہارے الفاظ واقعی دل میں اترنے کے قابل ہیں۔ اب ذرا اس کی تشریح بھی کر دیں۔" ٹیچر نازیہ نے کہا۔
"جیسے مٹی کو ہاتھ میں لے کر پھونک مار دی جائے تو مٹی کا نام و نشان نہیں رہتا، صرف ایک پھونک مارنے سے وہ بکھر جاتی ہے۔ زندگی کی مثال بھی ایسی ہی ہے اور زندگی کی اہمیت اتنی سی ہی ہے۔" عائشہ نے بات ختم کی۔
ٹیچر نازیہ نے دوبارہ اسے شاباش دی اور کہا کہ "بچو! آپ سب کے الفاظ بہت قیمتی ہیں، صرف بات عائشہ کے الفاظ کی نہیں ہے، بلکہ آپ سب کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اگر آپ میں سے ایک بھی نہ بولتا تو ہمارے پاس اتنی معلومات نہ ہوتیں۔ سب نے بہت اچھے طریقے سے زندگی کی حقیقت کو بیان کیا ہے، خاص کر عائشہ۔ آپ بھی یہ سب سیکھ سکتے ہیں۔ جب کسی میں اچھی بات دیکھیں تو فوراً سے اپنانے کی کوشش کریں۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ سب نے عائشہ سے ہی سیکھنا ہے، بلکہ بہت سی باتیں عائشہ آپ سے سیکھے گی۔ کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہوتا، جو آپ سب نے بیان کیا، کیا عائشہ نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا؟ نہیں! اس سے پتا چلتا ہے کہ اس نے آپ سے بھی بہت کچھ سیکھا ہے، جو باتیں آپ نے نہیں کہیں وہ آپ اس سے سیکھیں اور جو اس میں نہیں وہ آپ سے سیکھے گی۔ انسان ایک دوسرے سے ہی سیکھتا ہے۔ اب ان تمام الفاظ کو کتابی باتیں ہی نہیں سمجھنا، بلکہ ان پر عمل بھی کرنا ہے۔ آپ عہد کریں کہ آپ سب ان تمام باتوں پر جو آپ نے مجھ سے کیں اور میں نے آپ سے کیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"
سب نے مل کر آمین کہا۔
"ارے اگلا عنوان تو میں بتانا بھول ہی گئی۔" ٹیچر نازیہ نے بچوں سے کہا۔
"وہ کیا ہے؟ جلدی بتائیں۔" بچوں نے بے تابی سے پوچھا۔
"ارے بتا کر ہی جاؤں گی، تاکہ آپ ابھی سے اس کے بارے میں معلومات جمع کرنا شروع کر دیں۔ بہت ہی اچھا اور پیارا عنوان ہے اور وہ عنوان ہے: "دوست۔" مجھے امید ہے کہ آپ سب پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیں گے۔ چلیے آج کا وقت مکمل ہوا! السلام علیکم۔"
تمام بچیوں نے بیک آواز جواب دیا وعلیکم السلام!!!

گائے

فوزیہ خلیل

آج گھر میں شور مچا ہوا تھا۔ سارے بچے صحن میں جمع تھے۔ سننے میں آرہا تھا کہ دادا جان ایک گائے لے کر آئے ہیں۔ سارے بچے بھاگ کر باہر آئے۔

"ارے دادا جان! اتنی سی گائے۔" ہادی نے حیرت سے کہا۔

"یہ گائے نہیں، گائے کا بچہ ہے، گائے کا بچہ بچھڑا کہلاتا ہے جب کہ مادہ گائے ہوتی ہے اور اس کا نر بیل کہلاتا ہے۔" دادا جان بولے۔

"آپ گائے کا بچھڑا کیوں لے کر آئے ہیں، ابھی تو بقر عید میں بہت دن باقی ہیں۔" ننھی مناہل نے پوچھا۔

"ہم اس بچھڑے کو پالیں گے اور پھر ذی الحجہ میں قربانی کریں گے۔" دادا جان نے جواب دیا۔ سارے بچے بچھڑے کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے۔

"دادا جان دنیا میں کتنی گائیں ہیں اندازاً؟" ایان نے پوچھا۔

"ایان بیٹا! دنیا میں تقریباً سوا ارب گائے اور بیل موجود ہیں، ہمارے پڑوسی ملک میں تقریباً بیس بائیس کروڑ گائیں موجود ہیں یعنی بھارت میں۔"

"اتنی ساری گائیں، وہ کیوں؟" آئرہ نے پوچھا۔

"اتنی بڑی تعداد میں گائے ہونے کی ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہندو گائے کو مقدّس جانور سمجھتے ہیں اور اُس کا گوشت نہیں کھاتے بلکہ وہ تو گائے کی پوجا کرتے ہیں۔" زین نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں، بالکل یہی بات ہے، ہمارے ملک میں بھی ڈھائی سے تین کروڑ کے قریب گائے موجود ہیں۔ یہاں مختلف نسلوں کی گائے ہوتی ہیں کچھ سے دودھ حاصل کیا جاتا ہے۔ کچھ گوشت کے لیے پالی جاتی ہیں جب کہ بیل سے باربرداری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔" دادا جان بولے۔

"دادا جان نے بچھڑے کے آگے چارہ ڈالا۔ ایان اور عمر بڑے سے برتن میں پانی بھر کر لے آئے۔ وہ چارہ کھانے لگا، تھوڑی دیر بعد وہ جگالی کر رہا تھا۔" بچے غور سے دیکھنے لگے۔

"یہ کیا کر رہا ہے؟" ہادی نے پوچھا۔

"یہ جگالی کر رہا ہے، گائے اپنی غذا کو اچھی طرح چباتی ہے پھر ہضم کرتی ہے۔ گائے دن بھر میں 6-7 گھنٹے کھاتی پیتی رہتی ہے اور تقریباً 8 گھنٹے جگالی کرتی ہے۔" بچے دل چسپی سے بچھڑے کو دیکھنے لگے۔

"دادا جان! ایک بچھڑا بڑی گائے بننے میں کتنا وقت لگاتا ہے؟" عمر نے سوال کیا۔

"ایک بچھڑا تقریباً تین سال میں جوان ہو جاتا ہے۔" انھوں نے جواب دیا۔

بچے اب گائے کے ارد گرد بیٹھ چکے تھے۔

"ارے یہ کیا، یہ تو کھڑے کھڑے سو رہا ہے؟" مناہل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں بیٹا گائے کھڑے کھڑے بھی سو جاتی ہے۔ ایک گائے میں کافی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اس کے سونگھنے اور سننے کی صلاحیت بہت اچھی ہوتی ہے۔ یہ میلوں دور سے کسی شے کی بو سونگھ لیتی ہے، یہ ایسی آوازیں بھی سن لیتی ہے جو انسانی کان نہیں سن سکتے۔" دادا جان نے بتایا۔

"دادا جان! قرآن پاک میں بھی تو گائے کا ذکر آیا ہے۔ میری مس بتا رہی تھیں کہ کچھ جانوروں اور پرندوں کے نام قرآن پاک میں آئے ہیں جیسے گائے، ہدہد، ٹڈی، مکڑی، چیونٹی، ہاتھی، مچھر، کوا، گھوڑا، اونٹ۔" آئرہ بولی۔

"ہاں بیٹا! قرآن پاک کی سب سے بڑی سورۃ کا نام سورۃ البقرہ ہے۔" دادا جان نے کہا۔

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے۔ قوم بنی اسرائیل نے گمراہی کی وجہ سے گائے کی پرستش شروع کر دی تھی۔ یہی واقعہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔" زین نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا سورۃ البقرہ کے علاوہ بھی قرآن پاک کی کسی سورۃ میں گائے کا ذکر ہے؟" عمر نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

دادا جان نے بچوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی۔ بچے سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر آئرہ کی آواز ابھری۔ "دادا جان! سورۂ یوسف میں بھی گائے کا تذکرہ ہے جب عزیزِ مصر خواب میں سات موٹی اور سات دبلی گائیں دیکھتا ہے۔"

"شاباش۔" دادا جان خوش ہو کر بولے۔

"میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا، ایک گائے سے دن بھر میں تقریباً 20 لیٹر دودھ حاصل کیا جاتا ہے اور گائے کے مختلف اعضا جیسے آنتیں وغیرہ سکھا کر مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں جیسے موم بتی، چیونگ گم، گوند وغیرہ۔" ایان نے جلدی جلدی کہا۔

"زبردست! تم لوگوں کی ماشاء اللہ اچھی معلومات ہیں جو بچے کتب بینی کا شوق رکھتے ہیں اُن کی معلومات وسیع ہوتی ہیں۔" دادا جان نے خوش ہو کر کہا۔

"میں نے پڑھا تھا کہ گائے ایک سبزی خور جانور ہے، یعنی سبزیاں گھاس، پتے، کھانے والی۔" ننھی مناہل نے فوراً اپنی معلومات بھی بتائیں۔

"ہاں، اس کے معدے کے چار حصے ہوتے ہیں جو اس کی خوراک ہضم ہونے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔"

"چلو بھئی، اب سب بچے اس بچھڑے کا خیال رکھیں گے۔ اس کے کھانے پینے اور آرام کا۔ کوئی اس کے آرام میں خلل نہیں ڈالے گا۔ ٹھیک؟ اگر سب نے اس کا خیال رکھا تو میں ایک بچھڑا اور لے کر آؤں گا کیوں کہ گائے تنہا رہنا پسند نہیں کرتی۔ یہ چاہتی ہے کہ اس کا کوئی ساتھی بھی ہو، اسی لیے لوگ عام طور پر کئی گائے پالتے ہیں۔" دادا جان بولے۔

"جزاک اللہ دادا جان۔"

"بارک اللہ میرے بچو!"

نیکی اور پوچھ پوچھ

ڈاکٹر الماس روحی

وہ کچے پکے گھروں پر بنا ایک گاؤں تھا، "چاند نگر۔" یہاں چاند بہت چمکتا تھا۔ اس لیے لوگ اس گاؤں کو چاند نگر کہتے تھے۔ چاند نگر کے آڑے ترچھے راستے تھے۔ یہاں برگد کا ایک گھنا پیڑ تھا۔ یہاں بہت سارے پرندے صبح شام چہکتے تھے۔ اس درخت کے نیچے ایک لکڑہارے کی چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ لکڑہارے کا نام دلاور تھا۔ وہ اور اس کی بیوی زیبو اپنے دو پیارے پیارے بچوں کے ساتھ اس جھونپڑی میں رہتے تھے۔

دلاور کے بیٹے کا نام بہادر تھا، وہ گول مٹول بچہ بہت شریر اور تیز تھا۔ ہر مشکل کام کرنا چاہتا تھا۔ اس کی چھوٹی سی ایک بہن تھی، جس کا نام شبو تھا۔ اسے پھول بہت پسند تھے۔ وہ جھیل کنارے بیٹھ کر مٹی کا گھر شوق سے بناتی تھی۔ اسے مٹی کے برتن بھی بنانے آتے تھے۔ گاؤں کے لوگ دلاور کو بہت پسند کرتے تھے، کیوں کہ وہ محنتی اور خوددار تھا۔ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگتا تھا۔ وہ روز جنگل جاتا لکڑیاں کاٹتا، بازار جاتا، انھیں فروخت کرتا جو تھوڑا بہت ملتا، اس میں اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔

اسے اور اس کے بچوں کو جانوروں سے بہت محبت تھی۔ اگر کبھی درخت پر سے چڑیا کا بچہ گھونسلے سے گر جاتا تو دلاور درخت کی شاخ پر بنے اس کے گھونسلے میں بچہ واپس رکھ دیتا اور اپنے بیٹے بہادر کو جو چڑیا کے بچے کو دانہ کھلانا، پانی پلانا چاہتا تھا۔ اسے سمجھاتا بیٹا! یہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ چوں چوں کرتی چڑیا کتنی پریشان بیٹھی ہے، بہادر ابا کی بات سن کر خاموش ہو جاتا۔

دلاور جب بھی جنگل جاتا رات گئے لوٹتا، لیکن اس روز دلاور کچھ ہی دیر میں لوٹ آیا، مگر یہ کیا!! ابا کے ساتھ یہ موٹا سا کیا چلتا آرہا ہے؟ اس کے دو بڑے بڑے دانت ٹناٹن چمک رہے تھے اور تو اور آگے اس کی موٹی سی لمبی ناک تھی۔ اس کے دو بڑے بڑے کان تھے جنہیں وہ ہلا رہا تھا، وہ قریب آیا تو بہادر نے دیکھا وہ کچھ لنگڑا رہا تھا۔ اس کا بھاری سا پاؤں زخمی تھا۔ دونوں بچے اسے دیکھ کر ڈر رہے تھے۔ وہ تو بہت بڑا تھا۔ دلاور مسکرایا اور بولا: ڈرو مت! یہ تو ہاتھی ہے۔ بچوں کا ساتھی ہے۔ اسے پیار کروگے تو یہ تمہارا دوست بن جائے گا۔ شبو نے ہاتھی کو فوراً پھول پیش کیے جو اپنی سونڈ سے پکڑ کر خوشی میں اس نے ہوا میں اچھال دیے۔ بہادر نے جھک کر سلام کیا تو ہاتھی اپنی سونڈ اٹھا کر آواز نکالنے لگا، جیسے کہہ رہا ہو بچوں تم بھی مجھے پیارے ہو۔ دیکھا جانور بھی پیار کی زبان سمجھتے ہیں۔ دلاور کی بیوی زیبو بولی: وہ تو سب ٹھیک ہے، ہم اس کو کہاں سے کھلائیں گے؟ یہ ہاتھی ہے ہاتھی۔ یہاں ہمارے کھانے کے لیے بہت مشکل سے ملتا ہے۔ دلاور ہاتھی کے پیر پر جڑی بوٹی پیس کر لگاتے ہوئے بولا۔

"اری نیک بخت! رزق دینے والا اوپر بیٹھا ہے، جیسے ہمیں دیتا ہے۔ ایسے وہ اسے بھی کھانے کے لیے دے گا۔ یہ بے زبان جانور کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا جو گہرا زخم لگا ہے، دعا کر ٹھیک ہو جائے۔" دلاور کی بیوی خاموش ہو گئی اور بچے خوش ہو گئے۔

چند ہی دنوں میں بچوں کی ہاتھی سے بہت گہری دوستی ہو گئی۔ بہادر نے اس کا نام شیرو رکھا۔ اب تو شیرو دلاور کے گھر کا فرد تھا۔ بہادر اور شبو شیرو پر بیٹھ کر سیر کرتے اور گاتے

یہ شیرو ہے یہ ہاتھی ہے
یہ ہمارا پیارا ساتھی ہے
دم دیکھو ہے لمبی سی
سونڈ دیکھو ہے چھوٹی سی
پاؤں دیکھو ہیں موٹے موٹے
ہم ہیں اس سے چھوٹے چھوٹے
ہمارا ہاتھی ہے یہ ہمارا ساتھی ہے

گاؤں کے سب بچے ہاتھی کو حیرت سے دیکھتے، زیبو بھی اب ہاتھی کا بہت خیال رکھتی تھی۔ جھیل کنارے دلاور بچوں اور ہاتھی کو لے جاتا اور وہاں جا کر وہ اسے نہلاتے، ہاتھی بھی مست ہو کر نہاتا اور اپنی سونڈ میں پانی بھر کر بہادر شبو اور دلاور کو بھی نہلاتا، بچے خوب ہنستے۔ گاؤں کے زمین دار ولی محمد کو جب یہ پتا چلا کہ دلاور کے پاس ہاتھی ہے تو وہ دیکھنے آیا۔ ہاتھی دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ ولی محمد کی ماں نے اسے بچپن میں سکھایا تھا کہ جانوروں سے محبت اور ان پر اکرام کرنے والوں کا رزق کبھی کم نہیں ہوتا، زمین دار کے کئی گنے کے کھیت تھے۔

اس نے دلاور سے کہا: میں ہاتھی کے لیے اگر گنے بھیج دیا کروں تو!!! دلاور بولا: "نیکی اور پوچھ پوچھ۔" اس کا اجر تو اللہ آپ کو دے گا۔ ولی محمد ہر فصل کے تیار ہونے کے بعد ایک ٹرک گنے کا دلاور کو ضرور بھیج دیتا تھا۔ ہاتھی مزے سے گنے کھاتا تھا۔ ادھر اللہ نے زمین دار کی فصل میں برکت دی۔ ہر سال بہترین گنا اگنے لگا۔ دلاور اپنی بیوی سے کہتا: دیکھا رزق دینے والا اللہ پاک ہے۔ اللہ نے کیسے شیرو کا رزق بھیجا ہے۔" زیبو مسکرائی۔ ہاں، بے شک! اللہ پاک رزّاق ہے۔ گاؤں کے لوگ حیران تھے، وہ آپس میں باتیں کرتے ہاتھی رکھنا آسان تو نہیں، غریب لکڑہارا دلاور تو بہت ہی امیر نکلا جو اس نے ہاتھی رکھ رکھا ہے، لیکن دلاور کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ کوئی کچھ بھی سوچے وہ تو روز شیرو کے پیر میں جڑی بوٹی کا لیپ لگاتا۔ وہ اسے ٹھیک دیکھنا چاہتا تھا۔ چند ماہ بعد شیرو

بقیہ صفحہ 36 پر

انگوٹھی کہاں گئی؟

انعم توصیف

"اللہ۔۔۔! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کمرے کی؟ بلال! تم کہاں ہو؟"

نو سالہ عائشہ نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے سر پکڑتے ہوئے کہا۔ کمرے میں ہر طرف سامان بکھرا پڑا تھا۔ کپڑوں کی الماری سے تمام کپڑے باہر اس طرح پڑے تھے کہ وہ کپڑوں کا پہاڑ محسوس ہو رہے تھے۔

"میں یہ رہا آپی!" کپڑوں کے پہاڑ سے نکلتے ہوئے سات سالہ بلال نے بکھرے بالوں اور پھولی سانسوں کے درمیان جواب دیا۔

"یہ تم کپڑوں کے نیچے کیا کر رہے تھے؟ اپنا کیا حال بنا رکھا ہے تم نے؟" عائشہ نے اس کے قریب آتے ہوئے پر تشویش انداز میں پوچھا۔

"آپی! مجھ سے ایک بہت بڑی بھول ہو گئی۔" زمین سے اٹھتے ہوئے بلال روہانسہ ہوتے ہوئے بولا۔

"اففف! تم کیوں پہلیاں بجھا رہے ہو۔ جلدی سے بات بتاؤ۔" عائشہ کو اس کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے پھر کوئی گڑبڑ کی تھی۔

"میں نے کب پہیلی بجھائی؟ میں اس وقت پہیلی کیوں پوچھوں گا۔ اس وقت تو میں بہت بڑی مصیبت میں ہوں۔" اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بلال ایک بار پھر زمین پر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ۔ میں جا رہی ہوں۔" عائشہ کمرے سے باہر نکلنے کے لیے دروازے کی جانب مڑی تو بلال جھٹ سے کھڑا ہو گیا۔

"ارے، آپی! رکیں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" عائشہ کو اپنی طرف مڑتا دیکھ کر بلال پھر سے فرش پر بیٹھ گیا۔

"تم یہ اٹھک بیٹھک ہی کرتے رہو گے یا مسئلہ بھی بتاؤ گے؟" عائشہ نے دونوں ہاتھ باندھ کر غصے سے سوال کیا۔

"وہ۔۔۔ ناں۔۔۔" بلال عائشہ کی طرف دیکھ کر ہکلانے لگا۔

"بلال! بتانا ہے یا میں جاؤں؟" عائشہ نے ایک بار پھر جانے کی دھمکی دی۔

"امی کی سونے کی انگوٹھی مجھ سے کھو گئی۔" بلال نے آنکھیں میچ کر تیزی سے کہا۔

"کیا۔۔۔!!!" عائشہ اتنی زور سے چیخی کہ بلال کو خطرہ محسوس ہوا کہ اس کی آواز امی تک چلی جائے گی اور کچن میں کام کرتی امی اگر وہاں آ جاتیں تو اس کے لیے بہت بڑا مسئلہ ہو جاتا۔ بلال جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کو بند کیا۔

"آپی! آپ تو مجھے پٹوائیں گی۔ امی نے آٹا گوندھتے ہوئے انگوٹھی اتاری تھی اور مجھے کہا تھا کہ میں ان کے کمرے میں رکھ آؤں۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا اور رکھ کر بھول گیا۔" بلال نے سر جھکا کر ساری بات بتائی۔

"بلال! پہلی بات تو یہ کہ جب امی نے تم سے کہا تھا کہ ان کے کمرے میں رکھ کر آؤ تو تم یہاں کیوں آئے؟ دوسری بات تم کر کیا رہے تھے جو اتنی قیمتی چیز رکھ کر یوں بھول گئے۔" عائشہ نے اب کی بار نرمی سے پوچھا۔

"آپی! وہ مجھے موبائل میں گیم کھیلنا تھا۔ اس لیے میں جلدی سے کمرے میں آ گیا اور انگوٹھی جانے کہاں رکھ دی۔ ابھی گیم ختم ہوا تو مجھے اچانک یاد آیا۔" بلال نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو موبائل لینے کا بھی وقت نہیں تھا۔ تم نے امی سے پوچھے بغیر موبائل لیا۔ گیم بھی کھیلا اور انگوٹھی بھی کھو دی۔ یہ سب امی کی بات نہ سننے کی سزا ہے۔" عائشہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑی بہن ہونے کے ناطے بردباری سے کہا، لیکن پھر بلال کی معصوم شکل دیکھ کر اسے ترس آنے لگا۔

"آپی! ایک کام کریں؟" بلال نے آہستہ آواز میں رازداری سے کہا۔

"کیا؟" عائشہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"ہم امی سے کہہ دیں گے کہ انگوٹھی کوئی جن، بھوت اٹھا کر لے گیا ہے یا پھر۔۔۔" بلال نے آس پاس دیکھتے ہوئے کچھ سوچنا چاہا۔ اس کے کانوں میں اپنی پالتو بلی کی آواز ٹکرائی۔

"ہم کہہ دیں گے کہ۔۔۔ یہ جو شیر کی خالہ ہے اس نے بھوک میں انگوٹھی کھا لی۔" عائشہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بلال کو دیکھنے لگی۔

"یہ تم نے اتنا سارااااا جھوٹ کیسے سوچ لیا؟" عائشہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے دور کر کے کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں آپی! کب سے تو ڈھونڈ رہا ہوں۔" بلال نے کہا۔

"میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں، لیکن تمہیں پہلے مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔" عائشہ نے کہا تو بلال کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

"جو آپ کہیں گی میں وہ کروں گا، بس آپ میری مدد کر دیں۔"

"سب سے پہلے تم ایک حدیث مبارکہ سنو:"

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور بلاشبہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔" (صحیح بخاری)

حدیث مبارکہ سنتے ہی بلال کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔

"میں تو جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔ وہ تو بس آج ڈر کے مارے۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ۔۔۔" بلال نے صفائی پیش کرنا چاہی اور ساتھ ہی وعدہ بھی کرنے لگا۔

"صبر، جو میں کہوں گی وہ وعدہ کرو، اپنی طرف سے نہ بولنے لگو۔۔۔" عائشہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"وعدہ تم یہ کرو کہ کبھی بھی کوئی بھی غلطی ہو جائے۔ امی سے جھوٹ بولنے کے بارے میں سوچو گے بھی نہیں۔ امی تو ہماری سب سے اچھی دوست ہوتی ہیں۔ وہ تو ہماری مدد کرتی ہیں۔ اب میں تمہیں ایک جگہ لے کر جا رہی ہوں۔" عائشہ نے بلال کا ہاتھ تھاما اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے باہر لے جانے لگی۔

"یہ کہاں لے کر جا رہی ہیں، آپی!" بلال نے عائشہ کو خود کو سیڑھیوں سے اتر کر باورچی خانے کی جانب لے جاتا دیکھا تو وہ دبی دبی آواز میں چیخنے لگا۔

"یہ آپ میری مدد کر رہی ہیں یا پھر۔۔" بلال کے چیخنے سے بھی عائشہ پر کوئی فرق نہ پڑا اور وہ بلال کو لے کر باورچی خانے میں داخل ہو گئی۔

"کیا ہوا بچو!" امی نے ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ عائشہ نے آگے بڑھ کر ساری بات امی کو بتائی۔ بلال سر جھکائے کھڑا رہا۔

"اب تو بس امی مجھے ماریں گی۔" بلال کے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا۔ عائشہ کی

پوری بات سن کر امی قریب آئیں تو بلال نے ڈر کے مارے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"بیٹا! آئیں مل کر انگوٹھی ڈھونڈتے ہیں۔" امی بلال کا ہاتھ تھام کر کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

"امی نے مجھے نہیں مارا۔۔۔" بلال نے دل ہی دل میں سوچا اور امی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

"میں یہاں ڈھونڈتی ہوں، عائشہ! آپ وہاں ڈھونڈو۔" میز کی جانب بڑھتے ہوئے امی نے کہا اور عائشہ کو الماری کی طرف ڈھونڈنے کا کہا۔

"امی! میں کہاں ڈھونڈو؟" بلال نے آہستہ آواز میں شرمندگی سے پوچھا۔

"بیٹا! اپ ایسا کرو، درود شریف پڑھو، اگر ہم کچھ بھول جائیں جیسے آپ انگوٹھی رکھ کر بھول گئے تو ان شاء اللہ درود شریف پڑھنے کی برکت سے آپ کو یاد آجائے گی۔" امی نے نرمی سے کہا۔

امی اور عائشہ کمرے میں انگوٹھی ڈھونڈنے لگیں۔ ان کو ڈھونڈتے ہوئے پانچ منٹ گزر گئے۔

"اللہ! مجھے یاد آگیا۔۔۔" کرسی پر بیٹھا ہوا بلال اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"کہاں؟ کہاں رکھی تھی؟" عائشہ نے جلدی سے پوچھا۔ امی بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"یہاں۔۔۔" بلال نے اپنی قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

"افففففف!" عائشہ نے غصے سے اسے گھورا۔

"الحمدللہ!" امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری امی!" بلال نے امی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! اپنے والدین سے کبھی کوئی بات نہیں چھپانی چاہیے۔" امی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"امی! میں اس کو آپ کے پاس نہ لاتی تو یہ تو بس۔۔۔ کمرے کا مزید حشر خراب کر دیتا۔" عائشہ نے امی کے پاس بڑھتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

"اب آپ ہی دونوں سمیٹیں گے ناں کمرا۔" امی نے کہا۔

"لیکن میں نے تو یہ سب نہیں پھیلایا، پھر میں کیوں سمیٹوں؟" عائشہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"اچھی والی آپی! پلیز میری مدد کر دیجیے ناں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔" بلال نے معصومیت سے کہا تو سب ہنس پڑے۔

بقیہ

نیکی اور پوچھ پوچھ

کے پاؤں کا زخم بھر چکا تھا۔ وہ اب ٹھیک تھا، دوسرے گاؤں کے کئی چوہدریوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ دلاور لکڑہارے کے پاس ایک بہت پیارا ہاتھی ہے تو وہ ہاتھی کو خریدنے آگئے اور منہ مانگے دام دینے لگے، مگر دلاور نے منع کر دیا۔ نہیں جی نہیں، شیرو میرے گھر کا بیٹا ہے، جیسے بہادر ویسے میرا شیرو!! بھلا کوئی باپ اپنا بیٹا بیچے گا۔ شام کو زیبو دلاور سے خفا ہو کر بولی: یہ کوئی بات ہوئی، اچھی خاصی منہ مانگی رقم مل جاتی۔ ہمیں اس غربت سے چھٹکارا مل جاتا۔ اچھا گھر اور رہن سہن ہوتا۔ دلاور بولا: میں اس ہاتھی کو واپس اس کے جنگل چھوڑ آؤں گا۔ اس کے ساتھی اسے یاد کر رہے ہوں گے جو مخلوق اللہ پاک نے جس جگہ کے لیے بنائی ہے، وہ وہاں اچھی لگتی ہے۔ دوسرے روز بہادر اور زیبو نے شیرو کو بہت پیار سے کہا کہ دلاور اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔ ہاتھی بھی اداس تھا، مگر اسے جنگل اور دوست یاد آرہے تھے، ان سے ملنے کی بھی خوشی تھی۔

شام کو دلاور لکڑیاں لے کر جنگل سے واپس لوٹا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے بچوں اور زیبو کو بتایا۔ شیرو کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا جو شیرو کو دیکھ کر لپٹ گیا اور تھوڑی دیر میں بہت سارے ہاتھی اس کے پاس آگئے۔ سب نے سونڈ اٹھا کر میرا شکریہ ادا کیا اور پھر سب نے اپنی اپنی سونڈ سے درخت گرا کر لکڑیوں کا ڈھیر میرے آگے لگا دیے۔

اچانک تیز ہوا کے جھونکے چلنے لگے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ تُندو تیز بارش میں گاؤں کے درختوں کی جڑیں اُکھڑ جاتی ہیں۔ جھیل کنارے برگد کا یہ پیڑ جو دلاور کی جھیل کے پاس تھا، وہ تو چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ دلاور اور زیبو بچوں کا ہاتھ تھامے حیرت سے گھومتے درخت کو دیکھ رہے تھے۔ ادھر وہ درخت گھوم گھوم کر ہوا کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ہوا کا دباؤ ذرا کم ہوا تو درخت بھی رک گیا، اب وہ اپنی جگہ پر نہیں تھا، جس جگہ وہ پہلے کھڑا تھا، وہاں ایک گھڑا تھا۔ دلاور نے اس گڑھے میں جھانک کر دیکھا تو اسے وہاں ایک صندوق دکھائی دیا۔ دلاور نے وہ صندوق نکالا اور کھولا۔ وہ صندوق ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ زیبو بولی: یہ اللہ نے تمہیں نیکی کا صلہ دیا ہے۔ شیرو کو تم نے اس کے اپنوں کے پاس پہنچایا۔ آج دلاور کی اس درخت کے پاس ایک بڑی سی حویلی ہے، جہاں وہ اور اس کے بیوی بچے خوشی خوشی رہتے ہیں۔

مشکل الفاظ

نیکی اور پوچھ پوچھ: نیکی کے لیے پوچھنا کیا | رہن سہن: رہنے کے طریقے

ہیرے: قیمتی موتی | جواہرات: زیور

ٹاٹن: بہت زیادہ چمک دار | موسلا دھار: تیز اور لگاتار

بابرکت الفاظ

تنزیلہ احمد

فہد دس برس کا اچھا اور پیارا بچہ تھا۔ شرارتی اور باتونی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوب ذہین بھی تھا۔ گھر کا اکلوتا بچہ ہونے کی بدولت اسے خاص توجہ ملتی اور اس کی اچھل کود سے گھر میں ہر وقت رونق بھی لگی رہتی، مگر آج پورے گھر میں سناٹے کا راج تھا اور ایسا شاذونادر ہی ہوتا تھا۔
دوپہر کے کھانے کے بعد اس کی امی تھوڑی دیر آرام کرتیں اور عصر کے وقت تک لازمی اٹھ جاتیں۔ شام تک ابو بھی آفس سے گھر آ جاتے اور پھر گھر میں ہل چل مچ جاتی۔ وہ ادھر ادھر اچھلتا کودتا، شرارتیں کرتا، صحن میں کھیلتا، کبھی ابو سے باتیں کرتا تو کبھی امی سے فرمائشیں۔۔۔
دادو کو نیند کم آتی تھی اس لیے وہ دوپہر میں بھی تسبیح یا کتاب پڑھتی رہتیں اور وہ اپنے من پسند کھلونے لے کر دادو کے کمرے میں جا کر کھیلتا رہتا۔ کئی بار اسے اونگھ آ جاتی اور وہ دادو کے پاس ہی سو جاتا۔
معمول کے مطابق اپنے کمرے سے کھلونے لیے وہ دادو کے کمرے میں پہنچا تو انھیں آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے دیکھا۔
وہ خاموشی سے ان کے بستر پر جا بیٹھا اور دعا ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔
کافی دیر تک دادو کے ہاتھ اٹھے رہے تو اسے بے چینی ہونے لگی اور دل ہی دل سوچا۔
”پتا نہیں آج دادو کی دعا اتنی لمبی کیوں ہے؟“ تھوڑا وقت اور گزرنے پر اسے بوریت نے گھیر لیا اور ساتھ تجسّس بھی کہ دادو اتنی لمبی دعا میں کیا مانگ رہی ہیں۔
بالآخر دادو نے دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیرے اور مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
”شکر ہے دادو آپ کی دعا مکمل ہوئی۔ میں کب سے آپ کو دیکھے جا رہا تھا۔“ اس نے نروٹھے پن سے کہا تو وہ مسکرائیں۔
”کیا دیکھ رہا تھا میرا بچہ؟“ ”یہ ہی کہ آج آپ کی دعا اتنی لمبی کیوں ہے۔ کیا مانگ رہی تھیں آپ؟“ ”یہ میں آپ کو کیوں بتاؤں؟“ دادو نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ بھی شرارت پر اتر آیا۔
”اچھا! تو پھر میں بھی آپ سے اپنی کوئی بات شیئر نہیں کروں گا۔“
”نہ بھئی نہ! ایسا ظلم نہ کرنا۔“ انھوں نے مصنوعی ڈر ظاہر کرتے ہوئے کچھ یوں کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔
”اچھا چلو بتا دیتی ہوں۔ میں آپ کے ابو یعنی اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ ویسے تو روز ہی آپ سب کے لیے دعائیں مانگتی ہوں، مگر آج خصوصی دعا کی۔“ ”خصوصی کیوں؟“
”آج آپ کے ابو کی اہم میٹنگ تھی، اس لیے اللہ پاک سے دعا کی کہ میٹنگ اچھی رہے اور سب کچھ میرے بیٹے کے حق میں اچھا ثابت ہو۔“ ”دادو آپ میرے لیے بھی دعا مانگتی ہیں نا؟“ ”بالکل میرے بچے! ہم اپنے سب پیاروں اور جاننے والوں کے لیے دعا مانگتی ہوں۔ آپ بھی ہم سب کے لیے دعا مانگا کرو۔“ ”میری دعا اللہ قبول کریں گے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ ہنس دیں۔
”اللہ پاک بچوں کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے، کیوں کہ بچے معصوم اور دل کے صاف ہوتے ہیں۔ بچوں کو اپنے لیے، اپنے والدین اور بزرگوں کے لیے تو لازمی دعا مانگنی چاہیے۔“
”یعنی اگر میں دعا کروں کہ اسکول سے چھٹی ہو جائے یا کوئی ٹیسٹ ہو اور ٹیچر بیمار پڑ جائیں اور ٹیسٹ نہ ہو تو یہ دعا قبول ہو گی؟“ ”اونہہ ہوں، بری بات! اللہ سے جائز اور اچھی دعائیں مانگنی چاہیے۔ ایسی دعائیں نہیں جو کسی کے لیے پریشانی اور تکلیف کا سبب بنیں۔ ویسے بھی بچوں کو پڑھانا لکھانا تو ٹیچرز کا فرض ہے۔ ٹیسٹ اور پیپرز لازمی ہیں۔ یہ تو بچوں کا فرض ہے کہ وہ اچھے سے پڑھیں اور سیکھیں۔“ ”ہمم! پر دعا تو دعا ہے نا۔ ہم اللہ سے کچھ بھی مانگ سکتے ہیں۔“ ”اللہ سے خیر مانگتے ہیں۔ سوچو اگر آپ کے لیے کوئی بیماری اور پریشانی کی دعا کرے تو آپ کو اچھا لگے گا؟ آپ کو دکھ، درد، تکلیف ہو، آپ ٹھیک سے کھا پی اور کھیل نہ سکو تو کیسا لگے گا؟“ دادو کے سوال پر اس نے جھرجھری لی۔
”نو دادو۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔ میں سمجھ گیا۔ کسی کے لیے بری دعا نہیں کرنی چاہیے۔ اچھی دعائیں مانگنی چاہیے۔“ اس کے انداز پر دادو ہلکے سے مسکرا دیں۔
”شاباش۔ نماز پڑھنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلائے۔ پہلے اللہ پاک کی تعریف اور خوب شکر ادا کیا اور پھر خوب گڑگڑا کر اچھی دعائیں مانگیں۔ اپنی اچھی ضروریات، کام یابی اور آسانی، اچھا انسان بننے، شیطان اور برے لوگوں کے شر سے پناہ مانگنے کے لیے دعا مانگا کرو۔“ ”ٹھیک ہے دادو! میں اب اپنے، امی، ابو اور آپ کے لیے دعا کیا کروں گا اور کس کس کے لیے دعا کرنی چاہیے؟“ دادو کو دل چسپی سے دیکھتے ہوئے اس نے مزے سے سوال پوچھا۔
”آپ اپنے دوستوں، رشتے داروں، اساتذہ اور اپنے ملک سب کے لیے دعا کر سکتے ہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ دعا۔۔۔“ ”اچھی اور نیک ہونی چاہیے۔۔۔“ شوخی سے کہتے ہوئے اس نے دادو کا جملہ مکمل کیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیں۔ ”شاباش میرے ذہین بچے! پتا ہے بچپن میں مانگی اچھی دعائیں بڑے ہو کر بھی پوری ہوتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ جو دعا مانگو وہ پوری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سبھی دعائیں اپنے پاس سنبھال لیتے ہیں۔ کچھ جلدی قبول ہو جاتی ہیں تو کچھ دیر سے۔ کچھ دعاؤں کے سبب اللہ پاک ہماری کوئی مشکل ٹال دیتے ہیں اور جو دعائیں اس دنیا میں پوری نہیں ہوتیں، اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔“ ”واؤ! اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی دعا ضایع نہیں ہوتی۔“ اس نے کہا۔ ”بالکل! اس لیے جو بھی اچھی دعا مانگو، پورے یقین اور صاف دل سے مانگو اور اگر کبھی لگے کہ دعا قبول نہیں ہوئی تو سمجھ جانا کہ۔۔۔“ انھوں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کی دل چسپی کس حد تک قائم تھی۔
”کہ اللہ نے سب دعائیں اپنے پاس محفوظ کر لی ہیں۔“ اس نے سوچتے ہوئے رک رک کر الفاظ ادا کیے تو دادو نے اس کا ماتھا چوم لیا۔
”اور ہم نے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا اور دعا مانگتے رہنا ہے۔“
”جی جی!“ اپنی دادو کے ہاتھ پیار سے تھامتے ہوئے اس نے لگاوٹ سے کہا۔
”کب، کیسے اور کچھ حالات میں کیسے دعا مانگنی چاہیے، اس پر ہم پھر کبھی بات کریں گے، ابھی بس یہ یاد رکھو کہ اچھی دعا کے الفاظ بابرکت الفاظ ہوتے ہیں، جن سے ہم اپنے اور دوسروں کے لیے خیر مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اس سے دعا مانگنا بہت پسند ہے۔“ دادو نے دھیمی آواز میں پیار سے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
فہد نے آج باتوں ہی باتوں میں اچھی زندگی گزارنے کا ایک گر سیکھ لیا تھا۔ دادو دل ہی دل اپنے پوتے کی لمبی زندگی، کام یابی اور صحت و تن درستی کے لیے دعا گو تھیں۔ جب کہ فہد ذہن میں سوچ رہا تھا کہ
”نماز ادا کرنے کے بعد وہ آج اللہ جی سے کون کون سی اچھی دعائیں مانگے گا۔“

گاجر کی اُداسی

آمنہ بخاری

سبزی منڈی میں لوگ مختلف چیزوں کے دام لگا رہے تھے، ایک خریدار نے ہری مرچ کی قیمت سُن کر حیرت سے پوری آنکھیں کھول لیں۔

"ڈیڑھ سو روپے کلو؟" خریدار نے چلانے والے انداز میں سوال کیا۔

"جی بھائی! یہ پیچھے سے بہت مہنگی آئی ہے۔" اُسے جواب دیا گیا تو "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق اُس نے ایک کلو ہری مرچ، پانچ کلو مولی اور اُن کے ساتھ گاجر اور شلجم کی بوریاں بھی خریدیں۔ اُن سب چیزوں کو گدھا گاڑی پر رکھا اور اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

◆◆◆

"بہن گاجر! کیا حال چال ہیں؟" گاڑی پر رکھی ہوئی چیزوں میں سے ایک گاجر بوری سے باہر جھانک رہی تھی تو ہری مرچ نے زبان کھولی۔

"ٹھیک ٹھاک۔" گاجر نے لِفافے سے جھانکتی ہوئی ہری مرچ کی طرف دیکھ کر مختصر جواب دیا اور پھر سے اپنی سوچوں میں گم ہو گئی۔

"پتا ہے؟ میں دو شہروں سے گھوم پھر کر یہاں تک آئی ہوں، کیوں کہ مہنگائی کی وجہ سے مجھے کوئی خرید ہی نہیں رہا تھا۔ سب سے پہلے مجھے اور میری بہنوں کو پودے سے توڑ کر جمع کیا گیا اور ہمیں ڈبوں میں بند کیا گیا۔ بڑی بڑی گاڑیوں میں ہم نے سفر کیا اور یہاں منڈی تک پہنچے۔ بڑی مشکل سے ہم سب کو خرید لیا گیا، اب میں بہت خوش ہوں۔"

ہری مرچ نے بولنا شروع کیا تو اپنا مکمل سفر نامہ سنا کر ہی دَم لیا۔ وہ کچھ دیر اُس کی طرف دیکھتی رہی، لیکن گاجر ایک جگہ پر نظریں جمائے پتا نہیں کہاں گم تھی۔ ہری مرچ کو شرمندگی کا احساس ہوا کہ اُس کی بات کو نہیں سنا گیا اور نہ ہی کوئی جواب دیا گیا۔ اُس بے چاری نے دُکھ سے منہ لٹکا لیا، ہری مرچ کی باتیں سنتے ہوئے شلجم کِھلکِھلا کر ہنس پڑے۔

"ہری مرچ بہن! گاجر بہن کل سے ہی چُپ چاپ ہے، پتا نہیں اِسے کیا پریشانی ہے؟" ایک شلجم نے ہری مرچ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو اُس نے حیرت سے گاجر کی طرف دیکھا۔

"گاجر بہن! آپ اداس کیوں ہیں؟" ہری مرچ نے سوال کیا تو گاجر نے ٹھنڈی آہ بھری اور سر ہلاتے ہوئے بولی:

"میری حالت دیکھو مرچ بہن! میں بہت میلی ہو رہی ہوں، اِس طرح مجھے کون خریدے گا بھلا؟" گاجر نے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بتائی۔

"آپ بھی میری طرح زمین کے اندر اُگتی ہیں بہن! اس لیے مٹی لگی ہوئی ہے۔ مجھے دیکھیں مجھ پر بھی تو مٹی لگی ہے۔" شلجم نے جلدی سے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔

"مجھے بھی مٹی لگی ہے چھوٹی بہن! لیکن ہم نے اچھے وقت کا انتظار کرنا ہے۔" ساری باتیں سنتی ہوئی مولی باجی نے پہلی بار بات چیت میں حصہ لیا تھا۔ گاجر نے باری باری سب کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ یہ دیکھ کر مرچ، مولی اور شلجم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"مرچ بہن! تم ہری ہری اور صاف ستھری ہو، تمہاری جلد بھی خوب صورت اور چمک دار ہے۔ شلجم بھیّا آپ سفید اور جامنی رنگ کے ہیں، جب آپ کو دھویا جائے گا تو آپ بہترین نظر آئیں گے۔ مولی باجی بھی سفید ہیں اور اِن کے ساتھ ہرے پتے بھی لگے ہوئے ہیں، جب کہ میری حالت بے حد خراب ہے۔" گاجر نے سب کی تعریف کرنے کے بعد اپنا ذِکر کیا اور پھر سے اُداس ہو گئی۔

"ارے چھوٹی بہن! تم ہم سب سے زیادہ خوب صورت اور طاقت والی ہو۔ تمہارا سُرخ رنگ سب کا پسندیدہ رنگ ہے اور تم بہت فائدہ مند ہو۔" مولی نے اُس کے پاس آکر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جی جی۔۔۔ میں دیکھنے میں پیاری لگتی ہوں، لیکن جو مجھے کھاتا ہے اُسے ایسی مرچیں لگتی ہیں کہ شوں شوں کرتے ہوئے پانی کا گلاس پی لیتا ہے۔" ہری مرچ نے لِفافے سے کود کر آنکھیں مٹکائیں تو گاجر کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی ہنسنے لگے۔

"پتا ہے؟ تمہیں دیکھ کر سب خوش ہو جاتے ہیں جب کہ ہم تینوں کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا۔" ہری مرچ کی دیکھا دیکھی شلجم نے بھی گاجر کی تعریف میں حصہ لیا۔

"مجھے دیکھ کر کیوں خوش ہوا جاتا ہے؟" گاجر نے حیرت سے سوال کیا اور جواب طلب نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔

"تم سے میٹھا میٹھا جوس بنتا ہے ناں۔۔۔" باجی مولی نے ہونٹوں پر اپنی زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"اور۔۔۔اور۔۔۔ آپ کا حلوہ اور اچار بھی بنایا جاتا ہے گاجر بہن! آہا! مزے مزے۔" ہری مرچ نے پھر سے اُچھلتے ہوئے کہا تا کہ گاجر کی اُداسی ختم ہو۔

"تمہیں کچا بھی کھایا جاتا ہے، جس سے خون کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اور آنکھوں کے لیے بھی تم بہت مفید ہو۔" شلجم بھیّا نے لگے ہاتھوں اُس کا فائدہ بھی بتا دیا۔

"اِس کے علاوہ گردوں کی بیماری کے لیے بھی تم بہت مفید ہو چھوٹی بہنا! اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو بہت فائدہ مند بنایا ہے اور تمہیں تو سب لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔" باجی مولی نے بھی اُس کو ایک فائدہ بتایا تو گاجر کی اُداسی ختم ہونے لگی اور اب اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"جلدی سے گاؤں آئے، تاکہ آپ سب کو دھو کر صاف کیا جائے اور آپ مجھ سے زیادہ خوب صورت نظر آئیں۔" ہری مرچ نے کہا۔

"اللہ اللہ! سردی ہے اور مجھے گاؤں پہنچتے ہی نہانا پڑے گا۔"

شلجم بھیّا نے جھوٹ موٹ کی جُھرجُھری لی تو گاجر سمیت گاڑی پر رکھی تمام سبزیاں کِھلکِھلا کر ہنس دیں۔ سچ کہتے ہیں کہ "اچھے دوستوں کا ساتھ نصیب ہو جائے تو ہر پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔"

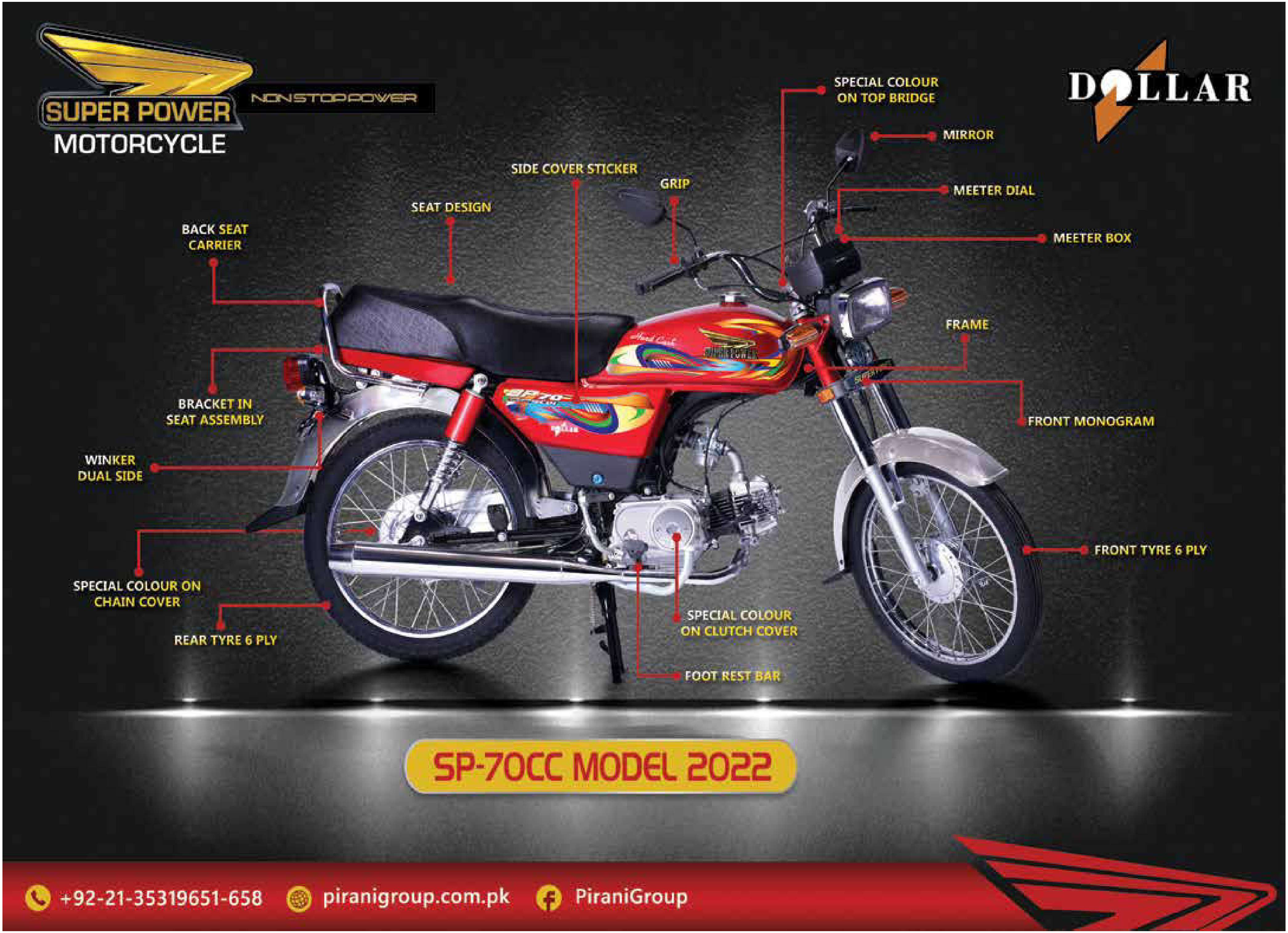

SUPER POWER
NONSTOPPOWER
MOTORCYCLE
DOLLAR
SPECIAL COLOUR ON TOP BRIDGE
MIRROR
SIDE COVER STICKER
GRIP
MEETER DIAL
SEAT DESIGN
MEETER BOX
BACK SEAT CARRIER
FRAME
BRACKET IN SEAT ASSEMBLY
FRONT MONOGRAM
WINKER DUAL SIDE
FRONT TYRE 6 PLY
SPECIAL COLOUR ON CHAIN COVER
SPECIAL COLOUR ON CLUTCH COVER
REAR TYRE 6 PLY
FOOT REST BAR
SP-70CC MODEL 2022
+92-21-35319651-658
piranigroup.com.pk
PiraniGroup

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے عائشہ گوہر کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

ابو بکر کامران، متوسط دوم، جامعۃ السعید کراچی

عبداللہ سکندر، کراچی

عائشہ فاطمہ، چہارم، آدم جی گرامر اسکول، کراچی

محمد عویر علی کراچی

مبشرہ محمد علی، حفظ قرآن، کراچی

طاہر، 13 سال، حفظ جامعہ بیت السلام کراچی

آمنہ یوسف کراچی

پیارے بچو!

ہمارے پیارے آقا اللہ کے آخری رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں تو ہم کافی کچھ جانتے ہیں ہیں۔۔۔ لیکن کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی دوست۔۔۔ ہم راز۔۔۔ یار غار کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔۔۔؟

جی ہاں بالکل ٹھیک سمجھے آپ! ہم بات کر رہے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جن کو اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتا۔

حضرت ابو بکر صدیق فرمایا کرتے تھے۔۔۔ "ایسا ہو نہیں سکتا کہ ابو بکر زندہ ہو۔۔۔ اور دین زندہ نہ رہے۔۔۔"

دین کی خاطر قربانیاں دینے والے ان عظیم صحابی کی وفات اسلامی مہینے جمادی الثانیہ کی 22 تاریخ کو ہوئی۔ یہ سنہ 31 ہجری تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کی عمر 36 برس عمر ہوئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی تھی۔۔۔ کہ زندگی میں بھی ان کے ساتھ رہے۔۔۔ اور وفات کے بعد آپ کی قبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے ساتھ ہے۔۔۔

ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہوئے۔۔ اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں پر لائیں۔۔۔ تاکہ کل قیامت کے دن ہمارا نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں میں شامل ہو۔۔۔ ٹھیک ہے نا!! ایسا ہی کریں گے نا!!!

جنوری 2022ء کے سوالات

سوال نمبر 1: عمرو بن عبداللہ بن علی تابعی کی کنیت کیا تھی؟

سوال نمبر 2: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور ﷺ کا پیغامِ نکاح کون لایا؟

سوال نمبر 3: بلبل بی بی کے بچے کس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔۔۔؟

سوال نمبر 4: مارخور کے گوشت میں طاقت کیوں ہوتی ہے۔؟

سوال نمبر 5: شاہی پرندہ کسے کہا جاتا ہے؟

اکتوبر 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: نعیم صاحب نے نوٹوں کا لفافہ بھجوایا تھا۔

جواب نمبر 2: بچوں نے پرنسپل صاحب کے سوال پر دوسری راہ منتخب کرنے کا جواب دیا

جواب نمبر 3: اہلِ محلّہ سے پیسے جمع کر کے الیکٹرک کولر لگا کر جشنِ آزادی منایا جا رہا تھا

جواب نمبر 4: ڈولفن مچھلی

جواب نمبر 5: تحریم نے ایمان کو ہدیے میں قلم دیا

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ

اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

بلا عنوان کا عنوان

اکتوبر 2021 میں تنزیلہ احمد کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے آہلہ نور کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔

انہوں نے عنوان دیا ہے

"وطن کا امین"

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

اکتوبر 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

حمیدہ راشد کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

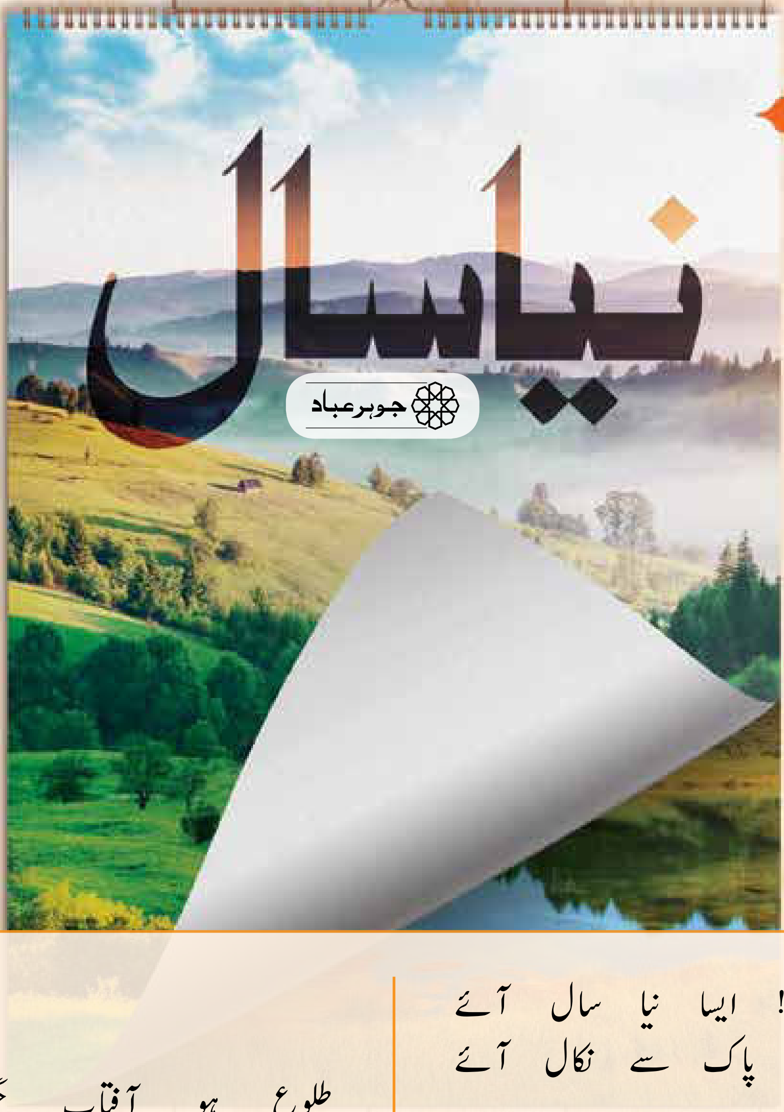

دُعا ہے یا الٰہی! ایسا نیا سال آئے
ہر اِک بلا وطنِ پاک سے نکال آئے

جلے تعلیم کی شمع ہر اِک کُٹیا میں
علم کی روشنی ہر سمت سے بہر حال آئے

ملے علاج کی بروقت سہولت سب کو
طبیب جذبۂ خدمت سے مالا مال آئے

رہے محفوظ سب کی جان و مال اور عزت
نہیں کسی کی وجہ سے کوئی ملال آئے

طلوع ہو آفتاب جگمگاتی صبح لیے
شبِ پُرنور سنبھالے ہوئے ہلال آئے

میسر سب کو ہو بجلی و گیس اور پانی
کرپشن، رشوت و چوری کا نہ سوال آئے

مٹیں حرام کمائی کے سب ذرائع شتاب
کہ سب کے پاس رزق طیب و حلال آئے

ملے انصاف امیروں، غریبوں کو یکساں
عدالتوں کو ترازو کا استعمال آئے

مساوی طور پر حقوق پورے ملیں
ہمارے معاشرے میں ایسا اعتدال آئے

گلی محلوں میں یوں بھائی چارگی پھیلے
کہ اپنے ساتھ پڑوسی کا بھی خیال آئے

چلے یہ قوم بس اللہ نبیؐ کے رستے پر
کہ سب کی زندگی میں دین کا جمال آئے

ایمان اس قدر مضبوط ہو کہ بہکانے
شیطان آئے تو کمزور اور نڈھال آئے

کچھ اس طریقے سے پھولے پھلے یہ ارضِ وطن
بہار آنے والی ہر خزاں کو ٹال آئے

مشہور ہونے لگیں پاکستانی مصنوعات
ہماری صنعت و حرفت میں وہ کمال آئے

کرے امداد پاکستان سارے ملکوں کی
الٰہی! کاش ہمارا بھی ایسا حال آئے

الٰہی! کر عطا وہ رعب سوہنی دھرتی کو
غلط ارادے سے دشمن کی، کیا مجال آئے

مٹادے میرے وطن سے تمام ظلم و ستم
کہیں نہ اس وجہ سے کوئی بھی وبال آئے

ہمارے صوبوں میں ہو اِس طرح کی یکجہتی
کبھی نہ دل میں کسی کے کوئی بھی بال آئے

بنے اسلام کا مضبوط قلعہ پاکستان
یوں پوری دنیا میں بن کر نئی مثال آئے

بنے اس قوم کا ہر فرد مومنِ کامل
ہاں ایسا وقت بھی اے رب ذوالجلال آئے

ہو مطمئن میرے وطنِ عزیز کا ہر شخص
حکومت جو بھی آئے ایسی بے مثال آئے

رہے نہ قرض کوئی ملک و قوم پر یا رب!
کہ دستِ غیب سے خوشحالیوں کا جال آئے

ہو ساری قوم یوں علوم وفنون میں یکتا
ترقی یافتہ ملکوں کو پیچھے ڈال آئے

بنیں ہم اس قدر مضبوط قوم کہ جوہرؔ
قیامت تک نہ پاکستان کو زوال آئے

گلدستہ

ترتیب و پیش: عبدالرحمن، شیخ ابوبکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

اشعار

اب کہاں اے دوست چشمِ منتظر کی آبرو
اب تو ان کے عہدو پیماں ہر کسی سے ہوگئے
ساغر

پڑے ہیں ایک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے
حالی

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے
اقبال

اے وطن تجھ سے نیا عہد وفا کرتے ہیں
مال کیا چیز ہے، ہم جاں فدا کرتے ہیں
کاظمی

دیکھ لے گا یہ مزا، حشر میں جو ہوجائے گا
آپ جو حکم کریں گے وہی ہوجائے گا
داغ

دل ڈھونڈتا ہے ہر گھڑی صورت نئی نئی
پائی ہے اس نے درد کی دولت نئی نئی
صوفی تبسم

درِ توبہ بغیر توبہ ہرگز کھل نہیں سکتا
لہو کا داغ رسمی آنسوؤں سے دھل نہیں سکتا
حفیظ جالندھری

دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہ گزر طے کرنی ہے
ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم
کیفی

حمد

حاجت روا بھی ہے تو مشکل کُشا بی تو ہے
خلّاقِ دو جہاں ہے، سب کا خدا بھی تُو ہے
روزِ ازل بھی تیرا شامِ ابد بھی تیری
ہر ابتدا بھی تُو ہے ہر انتہا بھی تُو ہے
دُکھ درد میں تجھی کو مولا پکارتے ہیں
ٹوٹے ہوئے دلوں کا ہاں آسرا بھی تُو ہے
تیری تجلّیوں سے روشن ہیں ماہ و نجم
دنیا کی انجمن میں نور و ضیا بھی تُو ہے
ہے چارہ ساز بھی تُو اور کارساز بھی تُو
آنکھوں کی روشنی ہے، دل کی دوا بھی تُو ہے

(شاعر: ماہر القادری)

مصر کے بادشاہ کے دربار میں

جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس صاحبان کی ایک جماعت مقوقس کے پاس گئی تو اس نے ان کو لالچ دینے کی بڑی کوشش کی اور اس پر خوب زور دیا کہ وہ خوش حال ہو جائیں گے، اس پر حضرت عبادہؓ نے فرمایا: ”اللہ کے دشمنوں سے ہماری لڑائی اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہمیں دنیا کی رغبت ہے یا ہم زیادہ دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم میں سے کسی کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ اس کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں یا اس کی ملکیت میں ایک درہم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو دنیا کی زیادہ سے زیادہ جو مقدار درکار ہے، وہ بس اتنا کھانا ہے جس سے وہ صبح و شام اپنی بھوک مٹاسکے اور ایک چادر ہے جسے لپیٹ سکے یہی ہمیں اللہ نے حکم دیا ہے، یہی ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے سکھایا ہے۔“

(صحابہ کرامؓ کی عظمت کے نشانات، ص: 188، عبدالرزاق رحمۃ اللہ)

مدینہ باغ جنت ہے

تضمین بر شعر حفیظ جالندھری

مدینے تک پہنچ جاؤں تو پھر راحت ہی راحت ہے
یہ دنیا ایک صحرا ہے مدینہ باغ جنت ہے
کوئی ایسی ہوا آئے مدینے مجھ کو لے جائے
وہاں انوار بستے ہیں، یہاں ظلمت ہی ظلمت ہے
مجھے اس سرزمیں سے بس محبت اس لیے ہی ہے
محمد ہیں وہاں رہتے اور ان سے مجھ کو الفت ہے
تڑپتا ہے جہاں سارا، مدینے کی ہواؤں کو
خدا نے ان ہواؤں میں رکھی رحمت ہی رحمت ہے
شہنشاہِ دو عالم سے ادب سے عرض کردینا
حضور کے روضہ اطہر کی، مہر کے دل کی چاہت ہے

از قلم: محمد علی اسامہ مہرؔ، متعلّم جامعہ بیت السلام کراچی

وقت واقعات کا ایک دریا ہے!

وقت گزرتے ہوئے واقعات کا ایک دریا ہے، اس کا بہاؤ تیز اور زبردست ہے، جونہی کوئی چیز اس کی زد میں آتی ہے، اس کی لہریں اسے اپنے ساتھ بہالے جاتی ہیں، پھر اور کوئی شے اس کی جگہ لے لیتی ہے، لیکن وہ بھی اسی طرح بہہ جاتی ہے، خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے صدیاں ریت کے ذروں کی طرح گرتی ہیں۔

نگہدار فرصت کہ عالم دمے است
دمے پیش عالم بہ از عالمے است

(متاعِ وقت اور کاروانِ علم، ص: 67، مولانا ابن الحسن عباسیؒ)

پسند کے باوجود عنایت فرمادینا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ تبوک سے ایک خوب صورت اور تیز طرار گھوڑا پیارے نبی ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ پیارے نبی ﷺ کو یہ گھوڑا بہت ہی پسند آیا۔ ایک انصاری آگے بڑھے اور کہنے لگے: "پیارے نبی ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، یہ گھوڑا مجھے عنایت فرمادیں۔" پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ گھوڑا تمہارا ہی ہے، چناں چہ گھوڑا اس انصاری کو دے دیا۔"

(پیارے رسول کے پیارے اخلاق، ص: 135، پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا)

اردو ضرب الامثال

آسمان پر دماغ: مغرور، بہت تکبر کرنے والا۔

بن داموں کا غلام: نہایت فرماں بردار

جس تن لگے وہی تن جانے: جس شخص کو دکھ پہنچتا ہے، وہی اس کا اندازہ کرسکتا ہے۔

چٹ بھی میری پٹ بھی میری: ہر طرح سے اپنا ہی فائدہ۔

حال کا نہ مال کا، روٹی چھچ دال کا: نکما آدمی جو کام کاج نہ کرے مفت میں پیٹ بھرے۔

خدا کی لاٹھی بے آواز ہے: غیب کی سزا کہہ کر نہیں آتی، خدا ناگہانی سزا دیتا ہے۔

دانہ اُڑ اُڑ پہنچے: قسمت میں لکھا رزق ضرور ملتا ہے۔

مہکتی کلیاں

انیسہ روشن زبیری

1. ضروریات کو کم کرلینا سب سے بڑی مال داری ہے۔
2. جس شخص کے خیالات اور نظریات اچھے ہیں، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتا۔
3. اس زندہ قوم کی طرح جیو جو اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہے۔
4. پاؤں پھسل جائے تو پھسل جائے، مگر زبان کو نہ پھسلنے دو۔
5. زندگی میں مایوسی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اس سے بچو۔
6. سب سے بہتر لقمہ وہ ہوتا ہے جو اپنی محنت سے حاصل کیا ہو۔
7. زندگی کا سبق پھولوں سے سیکھو جو کانٹوں کے درمیان رہ کر مسکراتے ہیں۔

قابلیت میں اضافہ کریں

ایک بہترین زندگی گزارنے کے لیے سب سے اہم خوبی ایک صحت مند دماغ کا ہونا ہے۔ آپ کا دماغ ایک لینز (Lens) کی طرح ہوتا ہے، جس سے آپ دنیا میں ہونے والے حالات وواقعات کو دیکھتے ہیں اور اگر یہ تازہ اور صحت مند نہ ہو تو یہ صحیح کام نہیں کرسکے گا۔ جیسے آپ اپنی عینک کے شیشوں کو صاف رکھتے ہیں، اس طرح ہمیں دماغ کو بھی متوازن رکھنا چاہیے تاکہ ہم ٹھیک طرح سے سوچ سکیں۔ ایک صحت مند دماغ اور صحت مند جسم ہماری خوشیوں اور کامیابیوں کے لیے بہت ضروری ہے اور ہمیں دونوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

ہمارے دماغ پرانے گھوڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کو ورزش کراتے رہنا چاہیے اگر ان سے کام لینا ہے۔

(مثبت سوچ اور کامیابی، ص: 76، مردولا اگروال)

"طلب" بے چینی پیدا کرتی ہے

یہ "طلب" ہی وہ چیز ہے کہ جب ایک مرتبہ انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو پھر انسان کو چین لینے نہیں دیتی، بلکہ اس کو بیتاب رکھتی ہے، جب تک انسان کو مقصود حاصل نہ ہو جائے انسان کو چین نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جب انسان کو بھوک لگ جائے اور "بھوک" کے معنی ہیں "کھانے کی طلب" تو جب انسان کو بھوک لگی ہوئی ہوگی تو کیا انسان کو چین آئے گا؟ کسی دوسرے کام کرنے کو دل چاہے گا؟ جب کھانے کی طلب لگی ہوئی ہے تو آدمی کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ اس کو کھانا نہ مل جائے، اگر انسان کو پیاس لگی ہوئی ہے تو "پیاس" کے معنی ہیں، "پانی کی طلب" جب تک پانی نہیں مل جائے گا اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں "دین" کی بھی ایسی ہی طلب پیدا فرمادے، جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک دین حاصل نہ ہو جائے، بلکہ بے چینی لگی رہتی ہے۔

(اصلاحی خطبات، ج: 11، ص: 175، مفتی محمد تقی عثمانی)

قیامِ پاکستان کے وقت کراچی بندرگاہ

قیامِ پاکستان کے وقت کراچی بندرگاہ میں 2.8 ملین ٹن سامان سنبھالنے کی گنجائش موجود تھی۔ اس وقت کیماڑی میں 4 وہارف موجود تھے جو 17 برتھوں پر مشتمل تھے۔ یہ برتھیں روڈ، ریل اور جدید کرینوں کی سہولت سے آراستہ تھیں۔ ان برتھوں میں سے 10 برتھیں 550 فٹ لمبی، 2 برتھیں 500 فٹ لمبی، 2 برتھیں 450 فٹ لمبی اور 2 بالترتیب 400 فٹ اور 350 فٹ لمبی تھیں۔ ویسٹ وہارف 4 برتھوں پر مشتمل تھا، ان میں سے 3 کی لمبائی 575 فٹ اور ایک 600 فٹ لمبی تھی۔ بندرگاہ میں زیادہ جہازوں کی آمد کی صورت میں ایک ریزرو وہارف جو اسٹیمر وہارف کہلاتا تھا اور جس کی 18 گودیاں تھیں، بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ بندرگاہ کے شمال مشرقی سرے پر مقامی تجارتی جہازوں اور لانچوں کے لیے ایک علیحدہ وسیع و عریض وہارف موجود تھا، جو جونا بندر کہلاتا تھا۔ اس وقت اس کے پلیٹ فارم کی لمبائی 1824 فٹ تھی۔ کیماڑی پر اترنے والا تمام سامان امپورٹ یارڈ میں رکھا جاتا تھا۔ اس یارڈ کے 12 سائبان (Sheds) تھے۔ اس یارڈ کے سامنے کھلی جگہ پر ایک 10 ٹن گنجائش کی کرین نصب تھی۔ اس کے علاوہ بندرگاہ میں 11 کشتی کرینیں بھی موجود تھیں۔ اس وقت بندرگاہ میں 150 میل لمبی ریلوے لائن بچھی ہوئی تھی۔ یہ بات قارئین کے لیے دل چسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس وقت کراچی بندرگاہ سے کل برآمد ہونے والی اشیا کا 70 فیصد حصہ گندم اور روئی پر مشتمل ہوتا تھا۔ (کراچی تاریخ کے آئینے میں، ص: 294، محمد عثمان دموہی)

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی
حالیہ رفاہی خدمات

رپورٹ: خالد معین

عالمی ادارے بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی تعلیمی اور رفاہی خدمات سال بھر جاری رہتی ہیں، جس سے سال بھر میں کروڑوں افراد فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ کچھ خدمات کا تعلق موسم، ضرورت، کسی سانحے اور حادثے سے ہوتا ہے اور کچھ خدمات سال بھر جاری رہتی ہیں، سینکڑوں تعلیمی اداروں میں ہزاروں طلبہ کی تعلیمی اسکالرشپ، سال بھر کسی نہ کسی شکل میں جاری رہتی ہے، پینے کا پانی بیسیوں مقامات پر ہمہ وقت دستیاب رہتا ہے۔ علاج کے لیے قائم کیے گئے کلینک سے پورا سال خدمات جاری رہتی ہیں۔ ذیل میں ہم گزشتہ چند ہفتوں کے دوران کی جانے والی چند وقتی خدمات ایک نظر ڈالتے ہیں۔

فراہمی آب

اس شعبے کے تحت حالیہ ہفتوں میں کراچی اور سندھ کی درجنوں بستیوں کے ہزاروں افراد کے لیے صاف پانی کا انتظام کیا گیا۔ اس کے لیے لاکھوں مالیت کے آر او پلانٹ لگائے گئے، پانی ذخیرہ کرنے کے لیے تالاب بنایا گیا، کئی علاقوں میں بورنگ کروائی گئی، پانی فراہم کرنے کے لیے موٹریں لگائی گئیں، موٹروں کو چلانے کے لیے سولر سسٹم لگایا گیا تاکہ بجلی کی بندش کے باوجود پانی فرامی میں رکاوٹ نہ آئے۔ اس شعبے کے تحت کراچی اور سندھ میں 30 سے زیادہ منصوبوں پر کام جاری ہے۔

فری آئی کیمپ

کراچی اور تلہ گنگ کی مضافاتی بستیوں کے لیے تین روزہ فری آئی کیمپ لگائے گئے۔ جہاں ہزاروں مریضوں نے استفادہ کیا۔ ان کیمپوں میں ماہر سرجن اور ڈاکٹر تربیت یافتہ عملے اور رضاکاروں کے ساتھ موجود رہے، موتیا کے سینکڑوں مریضوں کے مفت آپریشن کیے گئے، سینکڑوں کو بلاقیمت چشمے اور دوائیں فراہم کی گئیں۔ خاص طور پر تلہ گنگ کے مضافات میں لگنے والا کیمپ چوں کہ کسی بھی ادارے کی طرف سے لگنے والا پہلا فری آئی کیمپ تھا، اس لیے علاقے بھر سے مریض جوق در جوق آئے اور استفادہ کیا۔

افغان بھائیوں کے لیے غذائی اشیا

راشن اور خوراک فراہمی کے شعبے کے تحت سال بھر خدمات جاری رہتی ہیں، اندرون و بیرون ملک لاکھوں افراد کو غذائی اشیا فراہم کی جاتی ہیں۔ گزشتہ دنوں ہلال احمر پاکستان کے توسط سے افغان بھائیوں کے لیے افغان ہلال احمر کو تقریباً 24 ہزار افراد کے لیے غذائی اشیاء دی گئیں، بیت السلام اس شعبے کے تحت ضرورت مند افغان عوام کے لیے مزید خدمات کا بھی پروگرام رکھتا ہے۔

ہرنائی زلزلہ زدگان کے لیے خیمے اور کمبل

چند ہفتے قبل بلوچستان کے ضلع بلوچستان میں آنے والے شدید زلزلے کے فوراً بعد بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ نے خیموں اور کمبلوں کے ساتھ کراچی سے رضاکار بھیجے جنہوں نے بلوچستان کے مقامی رضاکاروں کے ساتھ مل کر ضرورت مند گھرانوں کو خیمے اور کمبل فراہم کیے۔

موسم سرما: کمبل فراہمی پروگرام

ہر سال کی طرح اس سال بھی اندرون و بیرون ملک پس ماندہ بستیوں کے مستحق ضرورت مند گھرانوں کے لیے کمبل فراہمی کا پروگرام جاری ہے۔

کورونا ویکسین سنٹر

طبّی ماہرین اور حکومت کی طرف سے کورونا بچاؤ ویکسین لازمی قرار دیے جانے کے بعد عامۃ الناس کو شدید مشکلات کا سامنا تھا، بیت السلام نے عوامی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے کراچی کے تین مختلف علاقوں میں سنٹر قائم کیے، جہاں سے 10 ہزار سے زیادہ افراد مستفید ہوئے۔

سول ہسپتال کراچی کے آرتھوپیڈک وارڈ کی مرمت

کراچی میں سول ہسپتال کے شعبہ آرتھوپیڈک کا وارڈ بہت ہی خستہ حالی کا شکار تھا، جس کی وجہ مریضوں کو بہت پریشانی تھی، بیت السلام نے اس کی مرمت کروائی، جس کے بعد نہ صرف اس شعبے میں سہولیات بہتر ہو گئیں بلکہ 30 فی صد مریضوں کی گنجائش بھی بڑھ گئی ہے۔

J.
FRAGRANCES
LOVE IS IN THE AIR !
ALLROUNDER
SHOAIB MALIK
ALLROUNDER
SHOAIB MALIK
ALLROUNDER
SHOAIB MALIK
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J.Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

MAK'S
MOISTURIZING
HAND WASH
ANTI
BACTERIAL
50% off خصم
REFILL & SAVE
أعد التعبئة ووفر
MONEY SAVER REFILL PACK
ANTI BACTERIAL
المضاد للبكتيريا
MAK'S
Harmony
MAK'S
GERM PROTECTION HAND WASH
Harmony
kills 99.9% of illness causing
germs, bacteria and viruses